جلد ۱۷۴ ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۰۴ء عدد ۴

فہرست مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

باب التقریظ والانتقاد

ای میل : email: shibli academy @rediffmail. com

شذرات

نوں کا مایہ ناز علمی دینی تحقیقی اور تصنیفی ادارہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
نامہ ہے جس کا فیض قریباً ایک صدی سے جاری ہے، اللہ تعالیٰ کے
ور عالم گیر شہرت نصیب ہوئی، اس نے ایسی بلند پایہ اور محققانہ کتابیں
استناد کی بنا پر نہایت مقبول ہوئیں اور اہلِ علم کے حوالے اور مراجع کا
ور صالح لٹریچر نے قوم و ملک کا مذاق اور ذہن بنایا، رواج عام اور قوم
پنا معیار فروتر کیا اور نہ سطحی اور بازار میں چلنے والی کتابیں شایع کیں۔
ں اکثر بے خبر شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ
شوں کی جماعت نے اسلام، داعی اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ و
واب دے کر معترضین کو ساکت و مبہوت کر دیا اور اسلامی علوم وفنون
رناموں کو مسخ کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

کا ایک امتیاز یہ بھی رہا ہے کہ اس نے رسوم وظواہر اور نام ونمود کے مروجہ
ناموں اور پروپگنڈوں سے دور رہ کر خاموشی اور انہماک سے علمی خدمت
کے اس دور میں بھی اپنے بانی، اپنے معماروں اور خود اپنے کارناموں
ڑھا کر پیش کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، اپنی نود سالہ زندگی میں اس
یات کیں، ۱۹۶۵ء میں گولڈن جبلی منائی اور ۱۹۸۲ء میں اسلام اور
رایا جو اپنے عالمانہ رنگ، وقار اور سنجیدگی کی بنا پر اپنی مثال آپ ہیں،
ل بن گیا ہے، چھوٹے بڑے تمام ادارے سمینار کرا رہے ہیں اور وہ
تے جا رہے ہیں، ہم سے بھی برابر ان کے لیے اصرار کیا جاتا رہا ہے
ے جلوے دیکھ چکی ہیں ان کو یہ سمینار کیا جچیں گے، ہمارے لیے سب
سالی حالت تھی، اس کی محدود آمدنی جب اس کے موجودہ مصارف ہی

کے لیے ناکافی ہے تو وہ اضافی اخراجات کا بوجھ کیسے اٹھا سکتا ہے، اس لیے محض وقتی اور عارضی شہرت کے لیے دارالمصنفین کو کسی مخمصے میں ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ؎

کار از بہر کار باید کرد   از پے واہ، واہ نتواں کرد
کز پے واہ، واہ نا داناں   زندگانی تباہ نتواں کرد

مگر واقعہ یہ ہے کہ دارالمصنفین اپنی گوناگوں خدمات اور شان دار کارناموں کے باوجود، شہرت کے موجودہ ذرائع اور عام طریقوں کو اختیار نہ کرنے، اردو ادارہ ہونے اور علمی ذوق روز بہ روز کم ہو جانے کی وجہ سے گوشۂ گم نامی میں جا پہنچا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے، نئی نسلیں علامہ شبلیؒ اور ان کے عظیم الشان ادارے دارالمصنفین کے کارنامے تو درکنار ان کے نام سے بھی آشنا نہیں ہیں، اس کا اقتضا ہے کہ ان پر سمینار بھی ہو اور ملک و بیرون ملک کی زبانوں میں کتابچے لکھ کر ان کا مسلسل تعارف ہوتا رہے کیوں کہ قومیں اپنے اسلاف کو فراموش کر دینے سے خود بھی فراموش ہو جاتی ہیں، اسی درمیان میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے سمینار سے فرار کی گنجایش ہمارے لیے باقی نہیں رکھی اور بے سروسامانی کے باوجود متوکلاً علی اللہ اور دارالمصنفین کے خیر خواہوں اور مخلصین کے بھروسے ایک دو روزہ سمینار کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا جو ۲۸ و ۲۹ نومبر کو انشاء اللہ ہوگا اور اس کا موضوع اس ذات گرامی کو بنایا گیا جن کے ذہن و تخیل کی پیداوار یہ ادارہ ہے، ان سے نسبت رکھنے والوں اور وابستگان دارالمصنفین کی تعداد کثیر ہے اور وہ سب بھی اس کے مستحق ہیں کہ ان کو یاد کیا جائے لیکن ان کے مقابلے میں علامہ شبلیؒ کی وجوہ ترجیح صاف ظاہر ہیں، ان کے بعض تلامذہ پر اعظم گڈھ اور اس کے گرد و نواح میں سمینار ہو چکے ہیں لیکن علامہ شبلیؒ جن کی نسبت سے اعظم گڈھ کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے اور جن کی نسبت سے یہاں کئی ادارے چل رہے ہیں مگر ابھی تک ان پر کوئی سمینار نہیں ہوا تھا، الحمد للہ یہ سعادت دارالمصنفین کے حصے میں آئی اور یقیناً اسی پر ان کا حق بھی سب سے زیادہ ہے، وہ ان کی اصلی اور آخری یادگار ہے، خوشی ہے کہ اس کام میں ان سے منسوب اعظم گڈھ کے تمام ادارے ہمارا پورا تعاون کر رہے ہیں۔

علامہ شبلیؒ کی کثیر الجہات اور جامع کمالات شخصیت کا حق ایک سمینار سے ادا نہیں ہو سکتا اور ہم تو اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے ان کے شایانِ شان سمینار کر بھی نہیں سکتے لیکن آدمی اسی کا مکلف

ہے، ظاہر ہے ایک دوروزہ سمینار میں سب کو مدعو کرنا اور مقالہ خوانی کی
راُلمصنفین کا حلقۂ تعارف بہت وسیع ہے لیکن مجبوری اور تنگ دامانی کی بنا پر
جس کا افسوس ہمیں بھی ہے، دارالمصنفین کے متعدد کرم فرماؤں اور علامہ شبلیؒ
ں شرکت اور اس کے مصارف میں تعاون فرمانے کی درخواست کی گئی ہے
و، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ارادوں کو کامیاب کرے اور ہم نے
فین کے حق میں مفید اور نافع بنائے، آمین۔

اور علامہ شبلیؒ کے قدر دانوں کو اس اطلاع سے خوشی ہوگی کہ عرصہ دراز کے
کی مشہور ادبی تصنیف ''موازنہ انیس و دبیر'' کا نیا، خوب صورت اور محقق و
ارے کرم فرما اور علامہ شبلیؒ کے پایہ شناس عالی جناب سید اکبر علی رضوی
سطے سے اس کی طباعت ہوئی ہے، وہ انشاء اللہ سمینار میں رونق افروز
ں گے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق مشہور شیعی عالم اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے
کلب صادق صاحب نے ایک بیان دیا تھا، ان جیسے سنجیدہ، باوقار اور
نہ تھی کہ وہ اس طرح کے حساس مسئلے پر بلا ضرورت یہ بیان دے کرامت
وجب بنیں گے، ہمارے خیال میں گو ان کا بیان نامناسب اور بے موقع
لک علما نے بھی پسند نہیں کیا، تاہم اس کی مخالفت میں جو شور و غوغا برپا
بر کا ثبوت نہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان ہی نہیں وہ لوگ بھی جو
پی کے دام میں جا پھنسے تھے، انہیں اپنی پوزیشن بحال کر لینے کا ایک
طرح کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے، وہ بھی مسلم عورتوں کا ہمدرد و
ں ماندگی سے بے چین و بے قرار ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے لیکن ہم کو افسوس
سامنے لانے اور امت کی رسوائی و بدنامی کرانے والے ہمارے اپنے

☆☆☆

مقالات

احادیث عاشوراء: ایک درایتی تجزیہ

از:- پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

(۲)

اہل مدینہ کو روزۂ عاشوراء کا حکم نبویؐ روزۂ عاشوراء رکھنے کے عمومی حکم نبویؐ کے علاوہ بعض احادیث نبویؐ ایسی ملتی ہیں جن میں انصار کے بعض طبقات کو بالخصوص مدنی طبقات کو اس اسلامی روزہ رکھنے کا حکم ملتا ہے اور بعض احادیث قرب و جوار کے مدنی قبایل و طبقات کے حکم نبویؐ کی خصوصی صراحت کرتی ہیں، ان احادیث نبویؐ کو ہم دو طبقات میں منقسم کر سکتے ہیں: ۱- خاص مدینہ والوں کے لیے حکم، ۲- مدینہ کے قرب و جوار میں آباد انصاری بستیوں کے لیے امر نبویؐ، ان دونوں میں جو چیز مشترک ہے وہ یہ کہ رسول اکرمؐ نے سب کو روزۂ عاشوراء رکھنے کا واجب حکم دیا تھا، جن لوگوں نے پہلے رکھ لیا تھا ان کو تعمیل کی سعادت ملی تھی اور جنہوں نے نہیں رکھا تھا ان کو باقی دن کا روزہ رکھنے اور کھانے پینے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ حکم روزۂ عاشوراء کی فرضیت ثابت کرتا ہے اور اس کا یہودی روایت سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

حضرت محمد بن صیفی انصاریؓ کی روایت ہے کہ عاشوراء کے دن رسول اکرمؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم لوگوں نے آج کا روزہ رکھا ہے؟ بعض لوگوں نے کہا، ہاں اور بعض لوگوں نے کہا نہیں، آپؐ نے نہ رکھنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگ باقی دن کا روزہ پورا کرو اور ان کو یہ بھی حکم دیا کہ تمام عروض کے باشندوں کو آج کے دن کا روزہ پورا کرنے کا حکم پہنچاؤ:

(۲۳۳) عن محمد بن صیفی الانصاریؓ قال: خرج علینا رسول اللہ ﷺ

☆ ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی، ریسرچ سیل ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

سلم یوم عاشوراء، فقال: اصمتم یومکم ھذا؟ فقال
بعضھم: لا، قال: فاتموا بقیة یومکم ھذا وامرھم ان
ان یتموا یومھم ذلک۔(مسند احمد، الساعاتی ۱۰/۱۸۰،
اب صیام یوم عاشوراء، حدیث: ۵۵۲/۱۷۳۵، نیز الزوائد میں
)

) حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة حدثنا عبید اللہ بن
ن عن اشعث بن ابی الشعثاء عن جعفر بن ابی ثور عن
ں: کان رسول اللہ یامرنا بصیام یوم عاشوراء و یحثنا
ہ...... الخ۔(مسلم، نووی ۲/۲۰۲)

نی صحابی حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ ہم کو عاشوراء
یتے تھے اور اس پر ابھارتے تھے اور اس پر اپنے حضور عہد لیتے تھے۔
یث سے بالخصوص اور بعض دوسری احادیث سے بالعموم یہ واضح ہوتا ہے
رنی طبقات انصار کے پاس خود تشریف لے جاکر ان کو خاص عاشوراء
دیا تھا اور یہاں تک اصرار فرمایا تھا کہ جس نے نہیں رکھا وہ باقی دن کا
کم نبویؐ اس کی فرضیت کی دلیل ہے، ان دونوں صحابی راویوں کا تعلق دو
رے تھا، حضرت جابر بن سمرہؓ اور رسول اکرمؐ بہ طور خاص کم از کم حضرت
لے کے پاس یہ حکم پہنچانے تشریف لے گئے تھے، اسی سے قیاس کیا جاسکتا
شوراء کے دن جہاں جہاں جاسکتے تھے روزہ رکھنے کا حکم پہنچایا تھا اور
لے جاسکتے تھے، آپؐ نے اپنے انصاری مدنی مخاطبین کو پابند بنایا تھا کہ
کے علاقوں تک پہنچادیں، حضرت محمد بن صیفی انصاری کی روایت کردہ
عروض'' سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔
سند احمد شیخ ساعاتی نے صاحب النہایہ کا قول وشرح نقل کیا ہے کہ اہل
ا اور ان دونوں کے اردگرد کے علاقے ہیں اور ایک روایت کے مطابق مکہ

مدینہ اور یمن کو ''العروض'' کہا جاتا ہے: ''...... یطلق علی مکة والمدینة و ما حولھما من البلدان المجاورة لھما، قال صاحب النھایة، یقال لمکة والمدینة والیمن العروض''، اگر یمن کو بھی عروض میں شریک وشامل نہ کریں تو حرمین شریفین اور ان کے اردگرد کی بستیاں تو اس میں شامل تھیں ہی اور ان سب کے اہل ایمان کو روزۂ عاشوراء رکھنے کا حکم نبویؐ دیا گیا تھا اور مدنی مخاطبوں کو پابند بنایا گیا تھا کہ ان کو بھی اس فرض کے ادا کرنے کا حکم نبویؐ پہنچادیں، ظاہر ہے کہ اہل مکہ کے مسلمین اس سے پہلے سے واقف تھے اور مدینہ کے باخبر لوگ بھی اس فرض پر عامل تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے فرمان واستفسار کے وقت پہلے سے روزہ رکھے ہوئے تھے اور جن لوگوں نے تساہل برتا تھا ان کو روزہ پورا کرنے کا حکم مزید دیا اور دوسرے باخبر لوگوں کو سفیر بنا کر بے خبروں کو اس حکم سے واقف اور اس پر عمل کرانے کے لیے بھیجا۔

شہر مدینہ کے قرب وجوار کے لیے حکم نبوی ﷺ

صوم عاشوراء کے عمومی حکم اور اہم مدینہ کے لیے خاص امر نبویؐ کے علاوہ قرب وجوار کی انصاری بستیوں کے لیے مخصوص ترین حکم کا ذکر بعض احادیث نبویؐ میں ملتا ہے جو اسلامی روزۂ عاشوراء کی کم از کم تین مدنی جہات وحدود واطراف کو پیش کرتا ہے، امام مسلم کی صحیح میں بالخصوص ایسی دو احادیث بیان کی گئی ہیں اور ان کی سندی اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک مدنی خزرجی خاتون صحابیہ کی سند پر مروی ہیں، اور وہ نہ صرف اس حکم نبویؐ کی حافظہ وناقلہ ہیں بلکہ اپنے اور اپنے خاندان کے لوگوں بالخصوص بچوں/بچیوں کی اس اسلامی فرض پر عمل آوری کرانے کی بھی راویہ ہیں، اصل حدیث مسلم (۱۳۶) (۱۱۳۶) ہے اور (۱۳۷) اس کی متابع۔

(۱۳۶)(۱۱۳۶) وحدثنی ابو بکر بن نافع العبدی حدثنا بشر بن المفضل بن لاحق حدثنا خالد بن ذکوان عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت: ارسل رسول اللہ ﷺ غداة عاشوراء الی قری الانصار حول المدینة: من کان اصبح صائما فلیتم صومه ومن کان اصبح مفطرا فلیتم بقیة یومه فکنا بعد ذلک نصومه ونصوّم صبیاننا الصغار منھم ان شاء اللہ ونذھب الی المسجد فنجعل لھم اللعبة من العھن فاذا بکی احدھم علی الطعام اعطیناھا ایاه عند الافطار۔

(۱۳۷) وحدثنا یحیی بن یحیی حدثنا ابو معشر العطار عن خالد بن

ـنت معوذ عن صوم عاشوراء، قالت: بعث رسول اللّٰہ ﷺ
ـر بمثل حدیث بشر غیر انه قال: ونصنع لهم اللعبة
ـعنا فاذا اسألونا الطعام اعطیناهم اللعبة تلهیهم
ـم، نووی ۲/۲۰۶-۲۰۷)

ـفہوم ایک ہے اور وہ یہ کہ رسول اکرمؐ نے عاشوراء کی صبح اپنے
انصاری بستیوں کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ جس نے صبح سے
اور جس نے صبح کچھ افطار کر لیا یعنی کھا پی لیا وہ باقی دن کا روزہ
روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے نابالغ چھوٹے بچوں کو بھی روزہ
ـھوانا چاہتا تھا اور گھر سے اون کے کھلونے بنا کر مسجد لے جاتے
ـ لیے روتے تو ان کو کھلونے دے کر بہلاتے تھے تا آنکہ ان کا
ـجاتا، اتنی تاکید صرف فرض روزے کی ہوسکتی ہے، حضرت ربیع
ـات میں سے تھیں جو شریک جہاد ہوتیں اور فوجی خدمات انجام

ـاطبین حکم نبوی نے رسول اکرمؐ کا حکم روزۂ عاشوراء قرب و جوار
ـ اکرمؐ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ فرض اسلامی روزہ کی اہمیت
ـ آپؐ نے اس اسلامی فرض کی تبلیغ و ترسیل اور اس پر عمل درآمد
ـفرر کر کے مختلف بستیوں کو بھیجا، سفرائے نبویؐ کی تعداد تین سے
ـ کہ جمع کا تقاضا ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ بستیوں کی تعداد کے مطابق
ـ کے ذریعہ وہی تاکیدی حکم روانہ فرمایا کہ جس نے روزہ رکھ لیا وہ
ـ سے صبح کو کھا پی لیا ہے وہ باقی دن کے لیے روزہ رکھے اور شام
ـ عاشوراء کی فرضیت کا اثبات فرمایا، صحابہ کرام اور صحابیات عالیہ
ـشوراء رکھا اور اپنے نابالغ بچوں اور بچیوں کو بھی رکھوایا تا کہ ان
ـئے، حدیث مسلم میں یہ نکتہ اہم ہے کہ چھوٹے بچوں، بچیوں کو

اپنے اپنے گھروں سے باہر مسجد میں لے جایا گیا کیوں کہ گھر پر وہ رہتے تو کھانے کے مطالبہ پر عذر کی گنجایش نہیں رہ جاتی، مسجد میں وہ گھروں سے دور ہونے کے سبب بچے بھی سمجھ جاتے کہ وہاں کھانا کہاں؟ وہ تو گھر پر ملے گا، ان کی بھوک بہلانے اور کھانے کی طرف سے غافل کرنے کے لیے خواتین نے خالص نسائی نفسیات سے کام لیا کہ ان کے لیے اون کے چھوٹے چھوٹے کھلونے بنا لیے، جب وہ بھوک سے بے تاب ہو کر کھانا مانگتے تو ان کو ان کھلونوں سے بہلا دیا جاتا اور وہ کھیل میں مشغول ہو کر بھوک اور کھانا بھول جاتے اور شام تک اپنے روزے پورے کر لیتے۔

روزۂ عاشوراء کی فرضیت ثابت کرنے کے لیے رسول اکرمؐ کا اتنا اہتمام خاص اپنے شہر والوں کے لیے تھا اور اسی کے ساتھ اردگرد کی انصاری بستیوں کے لیے بھی تھا، ان میں ان بستیوں (قری) کا ذکر نہیں ہے اور امام نووی وغیرہ نے ذکر بھی نہیں کیا ہے لیکن قباء جیسی قریبی انصاری آبادی کو ان میں شامل سمجھنا چاہیے اور وہ قریبی بستیاں شہر خاص کے اردگرد ہر طرف پائی جاتی تھیں، ان بستیوں کی تعیین سے حکم نبویؐ کی اہمیت مزید اجاگر ہو جائے گی مگر اصل مسئلہ یہ ہے جو ثابت ہو چکا کہ روزۂ عاشوراء کی فرضیت ثابت کرنے اور انصاری مسلمانوں کو اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے رسول اکرمؐ نے خاص الخاص اہتمام کیا تھا، مسند احمد کی حدیث: ۲۳۶ بہ روایت حضرت عبد اللہ سے اس کی تصدیق مزید ہوتی ہے، رسول اکرمؐ کا حکم روزہ سن کر بنو عمرو بن عوف کے ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی قوم کو جب چھوڑا تو کچھ روزہ سے تھے اور کچھ بلا روزہ، رسول اکرمؐ نے انہیں بھیجا کہ اپنی قوم کو حکم پہنچائیں۔

۲۳۶: عن بعجة بن عبد اللّٰہ ان اباہ اخبرہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال لهم یوما: هذا یوم عاشوراء فصوموا فقال رجل من بنی عمرو بن عوف: یا رسول اللّٰہ! انی ترکت قومی منهم صائم ومنهم مفطر فقال النبی ﷺ: اذهب الیهم فمن کان منهم مفطرا فلیتم صومه۔ (مسند احمد، الساعاتی، ۱۰/۱۸۲)

بدوی قبایل کو روزۂ عاشوراء کا حکم

صیام عاشوراء سے متعلق ایک طبقہ احادیث نبوی خالص بدوی قبایل عرب کو فرض و حکم اسلامی کا پابند بناتا ہے، صحیحین، مسند احمد اور بعض دوسری احادیث کی کتب معتبرہ میں بعض بدوی قبایل اور قرب و جوار کے لوگوں میں اس حکم نبویؐ کی اشاعت کا ذکر ملتا

...امت نے ان پر کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ تاکیدی حکم نبوی ایک
...ا اور حدیث کے متون بھی اسی کو ثابت کرتے ہیں، لہذا پہلے ان
...سانید کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، پھر شارحین کرام اور علماء اسلام
...ور پھر مجموعی حیثیت سے ان کی نوعیت پر گفتگو ہوگی۔

...ی بن ابراهیم حدثنا یزید بن ابی عبید عن سلمة بن
...ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من اکل
...ن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء ۔
...۲ومابعد)

...د ثنا قتیبه بن سعید حدثنا حاتم یعنی ابن
...ی عبید عن سلمة بن الاکوع قال: بعث رسول ﷺ
...وراء فامر ان یوذن فی الناس من کان لم یصم
...م صیامه الی اللیل ۔ (مسلم، نووی ۳۰۶/۲)

...بن الاکوع ان النبی ﷺ امر رجلا من اسلم ان
...وراء: من کان صائم فلیتم صومه ومن کان اکل
...ه ۔

...بن اسماء قال: بعثنی رسول اللّٰه ﷺ الی قومی
...مک فلیصوموا هذا الیوم یوم عاشوراء فمن
...ل یومه فلیصم آخره ۔

...ین هند عن اسماء بن حارثة ان رسول اللّٰه ﷺ بعثه
...ذا الیوم قال: أرایت ان وجدتهم قد طعموا قال:
...ریق ثان) ز عن اسماء بن حارثة ان رسول اللّٰه ﷺ
...فلیصوموا هذا الیوم قال: أرایت ان وجدتهم
...بقیة یومهم ۔ (مسند احمد، الفتح الربانی/

الساعاتی، ۱۷۹/۱۰-۱۸۱)

۲۴۴۴- حدثنا محمد بن المنهال اخذنا یزید بن زریع اخبرنا سعید عن قتادة عن عبد الرحمن بن مسلمه عن عمه: ان اسلم اتت النبی ﷺ فقال: صمتم یومکم هذا؟ قالوا: لا قال: فاتموا بقیة یومکم واقضوا قال ابو داؤد: یعنی یوم عاشوراء ۔(ابو داؤد، سنن، باب فی فضل صومه، ۴۱۷)

(۲۳۱) عن ابن عباس قال: ارسل رسول اللّٰه ﷺ الی اهل قریة علی راس اربعة فراسخ او قال: فرسخین یوم عاشوراء، فامر من اکل ان لا یاکل بقیة یومه ومن لم یاکل ان یتم صومه ۔(مسند احمد، الساعاتی، ۱۷۹/۱۰)

اگرچہ حدیث مسند احمد سے اہل العروض یعنی مکہ و مدینہ کے اردگرد آباد مسلمان بستیوں کے لوگوں کو روزۂ عاشوراء کا حکم نبوی پہنچانے کا عام حوالہ آچکا ہے، تاہم رسول اکرمؐ نے خاص قبائل کے لیے اپنے خاص سفیروں کو بھی اسی حکم کے ساتھ روانہ کیا، حضرت سلمہ بن الاکوع اسلمی کی سند پر مسند احمد اور صحیحین کی احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم ہے کہ رسول اکرمؐ نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص کو "لوگوں" (الناس) میں اعلان کرنے اور حکم نبوی پہنچانے کے لیے بھیجا مگر اس سفیر اسلمی کا نام نامی نہیں بیان کیا گیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "باب اذا نوی بالنهار صوما" میں حدیث حضرت سلمہ پر بحث کرتے ہوئے اس گمنام سفیر نبوی کی تعیین کی ہے اور وہ امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ احادیث: ۲۳۴-۲۳۵ کی بنیاد پر کی ہے کہ ان سے مراد حضرت ہند بن اسماء بن حارثہ اسلمی ہے، (فتح الباری، ۱۸۰/۴-۱۸۲: بقیہ بحث روزے کی رات میں نیت کرنے کی شرط سے متعلق ہے جیسا کہ عنوان باب سے ظاہر ہے، صوم عاشوراء پر مختصر بحث ہے) مزید تفصیلات صحابی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ہند اسلمی اصحاب حدیبیہ میں سے تھے اور ان کے بھائی بھی اور ان کو اپنی قوم اسلم کو عاشوراء کے روزے رکھنے کا حکم نبوی پہنچانے کے لیے بھیجا تھا، بعض روایات مسند میں آتا ہے کہ ان کے والد حضرت اسماء اسلمی کو بھی بھیجا گیا تھا، اس بنا پر حافظ موصوف

رر دونوں کو بھیجا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف ایک کو بھیجا گیا
ہو، بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلم قبیلہ اسلم کے لیے
جا گیا تھا، دوسرے شارحین کرام نے حافظ موصوف کی تشریح ہی

ت کا متن الگ الگ ہے، حضرت سلمہ اسلمی اس اسلمی سفیر کے نام
لے سکتے تھے کسی وجہ سے نہیں لیا، وہ بہر حال ایک دوسرے شخص
گوں کو حکم پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا جن میں اسلم کے علاوہ
ے لوگ شامل ہو سکتے تھے کیوں کہ یہ دونوں بدوی قبیلے پڑوسی ہی
وست بھی تھے۔

ینہ کی شاہ راہ تجارت وسفر کے اردگرد کافی مسافت پر آباد تھے اور
سط میں مختلف قریات اور بستیوں میں آباد تھے، ان کے تمام افراد
ے یا عام حکم نبوی عام کرنے کے لیے کئی منادیوں کی ضرورت تھی،
ر رکھتا ہے کہ حضرت ہند اسلمی اور ان کے والد حضرت اسماء بن
م کے لیے بھیجا گیا ہو اور تیسرے گمنام سفیر نبوی کو ان کے بعد
۔

’’ (لوگوں کو) باخبر کرنے کے فقرے سے ایک اور قوی امکان کا قرینہ
کے سفرائے کرام روزۂ عاشوراء کی فرضیت اور اس پر عمل درآمد
ھے، وہ خاص اسلم کے لیے بھیجے بھی گئے تھے مگر اس کا یہ مفہوم تو نہیں
سلم کے علاقے تک چپ سادھ رکھی تھی اور راستے کے مسافروں
ں کو رسول اکرمؐ کے حکم فرض سے بے خبر رکھا تھا، یہ منطقی طور سے
ت کے لحاظ سے، لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع
راد صرف قبیلہ اسلم نہیں بلکہ ’’مسلمین‘‘ ہیں خواہ وہ اسلم قبیلہ کے
ئی اور حضرات۔ ہند و اسماء اسلمی نے بطور خاص اپنی اپنی قوم اسلم

تک حکم نبوی پہنچایا تھا اور ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی دوسروں کو اس سعادت سے محروم نہیں رکھا تھا، وہ خاص علاقے کے لیے سفیر بنائے گئے تھے لیکن عام اسلامی حکم لے کر جا رہے تھے۔

اس طبقۂ احادیث میں آخری حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے چار یا دو فرسخ پر آباد ایک بستی کے لوگوں کے پاس اپنے سفیر کے ذریعہ یہی حکم بھیجا تھا کہ جن لوگوں نے افطار کر رکھا ہو وہ عاشوراء کا بقیہ روزہ رکھیں، شیخ ساعاتی نے فرضیت عاشوراء، اہتمام نبوی اور اس حدیث کی تخریج، ہیثمی، طبرانی کی کبیر کا ذکر کیا ہے لیکن اس قریہ کی تعیین نہیں کی، بہر حال تعیین ہو یا نہ ہو یہ حدیث مزید ثابت کرتی ہے کہ رسول اکرمؐ نے قرب وجوار کے کسی قریے اور آبادی کو نہیں چھوڑا تھا جہاں یہ حکم روزہ نہ پہنچایا ہو، اس حدیث اور اس کے طبقہ سے بالخصوص یہ اہم نکتہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ عاشوراء کا فرض پورے علاقے نافذ کیا گیا ہے اور قرب وجوار کی تمام بستیوں کو اس حکم سے واقف کرایا گیا تھا، اتنا اہتمام آخر کس لیے تھا اور کس سبب سے؟۔

یہودی سنتِ عاشوراء

متعدد احادیث نبوی میں یہودی سنت عاشوراء کا ذکر ملتا ہے، اس کا ایک دینی اور تہذیبی پس منظر ہے، یہودی روایات وافکار کے مطابق حضرت موسیٰ کو اس یوم سعید میں فرعون اور اس کے مظالم سے نجات ملی تھی، اس کے شکرانے میں حضرت موسیٰ نے اس دن کا روزہ رکھا اور ان کی پیروی میں کم از کم یہودانِ عرب نے بھی روزہ عاشوراء رکھا، اور دو شہروں مدینہ منورہ اور خیبر کے یہودیوں کے روزۂ عاشوراء رکھنے کا ذکر احادیث مسلم وغیرہ میں پایا جاتا ہے، اس کا قوی امکان ہے کہ دوسری یہودی بستیوں میں بھی اس سنت موسوی پر عمل ہوتا رہا تھا اور وہ ایک قومی روایت بن گئی تھی۔

شارحین حدیث اور دوسرے اہل علم وفکر نے صیام عاشوراء کے اس یہودی پس منظر اور دینی وجہ کو قبول کر لیا، اس کے قبول کرنے میں کوئی ظاہری مانع نہیں ہے کیوں کہ حدیث صحیح میں یہی پس منظر اور سبب وعامل بیان کیا گیا ہے لیکن اس پر کسی کی نظر نہیں گئی کہ یہ بیان ’’یہودیوں‘‘ کا ہے جن کی دینی تحریفات، تہذیبی وسماجی انحرافات پر تاریخ شاہد ہے، عین ممکن ہے کہ یوم عاشوراء حضرت موسیٰ اور امت موسوی کے فرعونی مظالم سے نجات کا دن بھی رہا ہو اور حضرت موسیٰ نے اس کا روزہ رکھا ہو اور ان کی امت نے اس کو موسوی اور یہودی سنت بنا دیا ہو حالاں کہ حقیقت یہی نہ تھی۔

امام ابن رسلان اور دوسرے علما و مفکرین اسلام کی سابقہ
ہر ماہ کے تین دنوں کے روزے اور عاشوراء کا روزۂ سالانہ
پہلے سے چلا آرہا تھا، بعض روایات کے مطابق حضرت نوحؑ
بحات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں وہ رائج تھا
ب سے بڑھ کر رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام اسے بعثت
وہ ملت حنفی اور شریعت ابراہیمی کا ایک فریضہ تھا جس پر
ذاہب کے لوگ بھی عامل تھے، اسی فرضیت روزہ عاشوراء
آنے کے بعد پہلے آنے والے محرم میں اس کو بہ طور اسلامی
رمکہ اور ان کے قرب وجوار کے مسلمان دیہاتوں کے لوگوں
ا۔

س روزہ عاشوراء کے ضمن میں ابھرتا ہے جس کی طرف نظر
کا روزہ بہ طور شکرانہ بیان کرنے کا یہودی نظریہ مان بھی لیا
ٹھہرے گا، فرض و واجب نہیں بن سکے گا کہ اس کی تشریح
وجوب کا حکم نبی مکرمؐ نے بھی نہیں دیا تھا، جبکہ اسلامی روزۂ
کے لیے رسول اکرمؐ کے حکم دینے کے سبب اس پر عمل ضروری
ے کہ روزہ عاشوراء شریعت موسوی میں ملت حنفی سے بہ طور

کے علاوہ تاریخی اور زمانی پس منظر سے بھی بحث کرنی بہت
وز بعض دوسرے شارحین حدیث اور علمائے اسلام نے اس
سوال کے ذریعہ کہ رسول اکرمؐ کو یہودی شکرانہ کے روزۂ
غاز کیا گیا ہے، حافظ موصوف کا خیال ہے کہ رسول اکرمؐ کو
کا علم غالباً نہیں ہوسکا تھا کیوں کہ اس وقت تک یوم عاشوراء
ہی نہیں اٹھا تھا، ہجرت کے لگ بھگ دس گیارہ ماہ بعد وہ

معلوم ہوا۔

یہودی روزۂ عاشوراء سے متعلق احادیث نبوی کے متون واضح کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے یہود مدینہ کو روزۂ عاشوراء رکھتے دیکھا تو ان سے اس کی بابت سوال فرمایا اور یہودی بیان سے جانا کہ وہ شکرانے کا نفلی روزہ ہے، تب آپؐ نے حضرت موسیٰ سے اپنی نسبت نبوی اور مسلمانوں کی شرعی و دینی نسبت کی افضلیت جتائی اور خود بھی روزہ عاشوراء رکھا اور اس کے روزوں کا حکم بھی دیا، یہ تمام احادیث نبوی کے مجموعی بیان کا نتیجہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اگرچہ بعض روایات و احادیث میں مدینہ آنے کے بعد ہی یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھنے کا ذکر ملتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اسی دن دیکھا ہوگا جس دن رکھا گیا تھا، یہ حضرت موسیٰ کی نسبت سے روزہ رکھنے کا واقعہ ہے جو شریعت اسلامی کے اتحاد و اتفاق اور اس کے تسلسل و تعامل کی علامت ہے لیکن یہاں ایک دوسری مشکل کا سامنا ہے اور وہ فقہی و لازمی حکم اسلامی اور نفلی اور شکرانے کے روزے میں تصادم کا قضیہ ہے جس پر بحث نہیں کی گئی۔

تمام صحیح احادیث نبوی اور شارحین کرام کی تشریحات اور علما و فقہا کے نظریات سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام مکی دور سے عاشوراء کا روزہ ایک اسلامی فریضہ کی حیثیت سے رکھتے چلے آرہے تھے اور وہ رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے تک فرض رہا تھا، یعنی شعبان ۲ھ میں جب صیام رمضان کے احکام اترے تو روزہ عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہوئی اور اس کی جگہ رمضان کے روزے فرض ہوگئے اور تب روزہ عاشوراء مسنون و مستحب بن گیا، فرض نہیں رہا، یہاں ایک حکم اور اصول سے مختصر بحث بھی کرلی جائے، مکی شریعت اسلامی یا بہتر و واضح طور سے شریعت محمدیؐ میں روزہ فرض تھا جس طرح نماز فرض تھی، بحث نماز کے اوقات و ہیئات یا تعداد رکعات سے نہیں کہ وہ اصل حکم کی فروع اور شاخیں ہیں، اصل حکم فرضیت نماز کا ہے خواہ ایک وقت کی ہو یا دو وقت کی یا پانچ وقت کی اور ان کی رکعات دو ہوں یا تین یا چار ہوں، اسی طرح روزہ فرض تھا اور وہ روزہ خواہ ایک دن کا ہو یا چالیس دن کا ہو یا پچاس دن کا جیسا کہ یہودی و مسیحی شریعتوں میں تھا، اصل حکم روزہ رکھنے کا ہے، تعداد روزہ اور اس کے ایام اصل حکم نہیں ہیں، وہ حکم فرضیت و وجوب کی فروع اور توسیع ہیں، پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اگر

زۂ عاشوراء کے ساتھ ہر ماہ کے تین روزے بھی فرض تھے، اس
بھر میں فرض تھے اور ان پر زاید روزۂ عاشوراء تھا یعنی کل سینتیس
اور علمائے کرام کے آرا میں رمضان المبارک کے تیس روزوں
فرض ہونے کا تو خوب ذکر ملتا ہے لیکن ابھی تک ہر ماہ کے تین
چھتیس روزوں کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا کہیں حوالہ تک
فرضیت کو نظر انداز کرنے کی وجوہ وعوامل صرف یہی ہیں کہ ان
ت روزہ'' کا ایک اور پہلو بھی بہت اصولی اور ضروری ہے اور
ہے، درحقیقت اصل حکم یعنی ''فرضیت روزہ'' ہمیشہ برقرار رہا
ق نہیں آیا اور نہ وہ بدلا گیا تھا جو چیز منسوخ ہوئی وہ ایک خاص
ل فرضیت منسوخ ہوئی تھی، روزۂ عاشوراء کی جگہ رمضان کے
زہ کا اصولی حکم غیر مبدل تھا اور ہمیشہ رہا، ایام روزہ میں تبدیلی

روزہ کے اصل حکم اور مکی دور بالخصوص رمضان کے روزوں کی
ہودی روزۂ عاشوراء اور اس کی پیروی اسلامی واتباع وامر نبوی
یا ہے، رمضان ۲ھ یعنی ہجرت مدینہ کے اولین سترہ ماہ تک
سول اکرمؐ نے بہ نفس نفیس مکی و دوسرے مہاجرین صحابہ اور مدنی
ور جن مدنی مسلمانوں کو یہودی روایت کے پس منظر سے یا کسی
شوراء سے ناواقفیت وتساہل سے غلط فہمی ہوگئی تھی، ان سے
یا اور تمام اسلامی بستیوں میں اس اسلامی فریضہ کی بجا آوری
ذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور تمام اہل اسلام مدینہ منورہ
عاشوراء یہودی روایت وموسوی سنت کی پیروی میں نہیں رکھا
اسلامی دستور کے مطابق رکھا گیا تھا۔
کے فرض ہونے کے بعد ہی رسول اکرمؐ کی گفتگو یہودی طبقات

وعلمائے مدینہ سے یوم عاشوراء کے روزے کی بابت ہوئی تھی، یعنی درایت کی بنیاد پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان یہودی صیام عاشوراء سے متعلق احادیث نبوی بالخصوص نفل وشکرانہ کے روزہ عاشوراء رکھنے کا معمول نبوی اور مسلمانوں کو اس کے روزے رکھنے کا حکم نبوی دراصل محرم ۳ھ کے قریبی زمانے کا ہے یعنی روزہ رمضان کی فرضیت کے بعد، مسلمانوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اس موسوی سنت کی پیروی کریں لیکن اس حکم نبوی میں وجوب وفرضیت کا عنصر نہیں تھا، بلکہ بعض روایات کے مطابق تو تاکید وتعہد کا عنصر بھی نہیں تھا اور وہ کیسے ہوسکتا تھا؟ کیوں کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت نے روزہ عاشوراء کی فرضیت لے لی تھی اور اب روزہ عاشوراء کے بارے میں حکم وامر نبوی صرف سنت کو موکد کرنے کی خاطر تھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام۔ اکابر صحابہ کرام کا رویہ یکسر بدل گیا تھا، ان میں سے بہت سے حضرات وخواتین روزہ عاشوراء رکھا ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے استحباب کو ثابت کرنے کی خاطر اس خاص دن خاص طور سے افطار کیا کرتے تھے، تاکہ رمضان کے صیام کی فرضیت کی اہمیت اور اس کے بعد روزہ عاشوراء کا استحباب ان کے طرز عمل سے اجاگر ہوجائے اور یہ بھی واضح ہوجائے کہ اب روزہ عاشوراء فرض نہیں رہا جیسا کہ وہ فرضیت رمضان سے قبل تھا۔

یہودی روزۂ عاشوراء سے متعلق احادیث

صیام یوم عاشوراء کے ابواب حدیث میں تمام متعلقہ احادیث بلا ترتیب پائی جاتی ہیں اور وہی الجھن کا سبب بنی ہیں، محدثین کرام نے اپنے فقہی اور دینی نظریات واصول کے تحت ان روایات واحادیث کو اپنی اپنی کتابوں میں بیان فرمادیا، ان میں تاریخی اور توقیتی توقیت وترتیب اکثر وبیشتر قایم نہیں کی جس نے بعد کے ہم کم علموں کو خاصی مشکلات سے دوچار کردیا، لہذا اپنی کم علمی اور کم فہمی کے سبب ہم نے اس مقالے میں تاریخی ترتیب اور موضوعاتی نسبت سے احادیث کو نقل کیا ہے، ذیل میں اسی طریقہ بحث اور منہج پیش کش کے مطابق تمام احادیث کو پیش کیا جاتا ہے جو یہودی روزہ عاشوراء سے متعلق ہیں:

(الف) طبقۂ اول

۲۰۰۴- حدثنا ابو معمر حدثنا عبد الوارث عن ایوب عن عبد اللہ بن سعید بن جبیر عن ابیہ عن ابن عباسؓ قال: قدم النبی ﷺ المدینۃ فرای الیہود تصوم عاشوراء، فقال: ما ھذا؟ قالوا: ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللہ

صامہ موسی قال: فانا احق بموسی منکم فصامہ
۳۳۹۷،۳۹۴۳،۴۶۸۰،۴۷۳۷) بخاری، فتح الباری،
سنن (عیسی البابی مصر قاہرہ،۱۹۵۲ء، بـاب صیـام یوم
(۵

ثنا یحیی بن یحیی اخبرنا ھشیم عن ابی بشر عن
عباسؓ قال: قدم رسول اللّٰہ ﷺ المدینۃ فوجد
وراء فسئلوا عن ذلک فقالوا: ھذا الیوم الذی
نی اسرائیل علی فرعون فنحن نصومہ تعظیما
ولیٰ بموسی منکم" فامر بصومہ۔(مسلم،نووی،
ی:۲۴۴۱،۴۱۶-۴۱۷)

ر وابو بکر بن نافع جمیعا عن محمد بن جعفر عن
ناد و قال: فسألھم عن ذلک۔

ابی عمر حدثنا سفیان عن ایوب عن عبد اللّٰہ بن
ن ابن عباسؓ: ان رسول اللّٰہ ﷺ قدم المدینۃ
عاشوراء فقال لھم رسول اللّٰہ ﷺ: ما ھذا الیوم
: ھذا یوم عظیم انجی اللّٰہ فیہ موسیٰ و قومہ و
موسی شکرا فنحن نصومہ فقال رسول اللّٰہ ﷺ:
ی منکم فصامہ رسول اللّٰہ ﷺ وامر بصیامہ۔

یرۃؓ قال: مرّ النبی ﷺ باناس من الیھود قد صاموا
ن الصوم؟ قالوا: ھذا الیوم الذی نجی اللّٰہ موسی
غرق فیہ فرعون وھذا یوم استوت فیہ السفینۃ
و موسی شکر اللّٰہ تعالی فقال النبی ﷺ: انا احق

بموسی واحق بصوم ھذا الیوم فامر اصحابہ بالصوم۔

(۲۲۸) عن ابن عباسؓ قال: قدم رسول اللّٰہ ﷺ المدینۃ فرای الیھود یصومون یوم عاشوراء فقال: ما ھذا الیوم الذی تصومون؟ قالوا: ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللّٰہ بنی اسرائیل من عدوھم قال: فصامہ موسی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ وعلی آلہ وصحبہ وسلم: انا احق بموسی منکم قال: فصامہ رسول اللّٰہ ﷺ وامر بصومہ۔(مسند احمد، ساعاتی، ۱۰/۱۷۷-۱۷۸)

(ب) طبقۂ دوم

۲۰۰۵: حدثنا علی بن عبد اللّٰہ حدثنا ابو اسامۃ عن ابی عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن ابی موسیؓ قال: کان یوم عاشوراء تعدہ الیھود عیدا قال النبی ﷺ: فصوموہ انتم۔(طرفہ فی:۳۹۴۲، بخاری، فتح الباری ،۴/۳۱۰-۳۱۶)

(۱۲۹)-(۱۱۳۱) وحدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ وابن نمیر قالا: حدثنا ابو اسامۃ عن ابی عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن ابی موسی قال: کان یوم عاشوراء یوما تعظمہ الیھود و تتخذہ عیدا فقال رسول اللّٰہ ﷺ: صوموہ انتم۔

(۱۳۰) وحدثنا احمد بن المنذر حدثنا حماد بن اسامۃ حدثنا ابو العمیس اخبرنی قیس فذکر بھذا الاسناد مثلہ وزاد قال ابو اسامہ: فحدثنی صدقۃ بن ابی عمران عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن ابی موسیؓ قال: کان اھل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونہ عیدا ویلبسون نساء ھم فیہ حلیھم وشارتھم فقال رسول اللّٰہ ﷺ: فصوموہ انتم۔(مسلم، نووی،۲/۲۰۲-۲۰۳)

(ج) طبقۂ سوم

(۲۳۰) عن جابر بن عبد اللّٰہؓ انہ قال: امرنا رسول اللّٰہ ﷺ بیوم

هو يوم كانت اليهود تصومه ۔ (مسند احمد ،

اء کی متنی تحقیق | ہماری بیشتر کتب حدیث میں جو متداول ہیں
ث کی اکثریت صرف چند کتب حدیث میں ہیں، ان میں صحیحین
یاں بلکہ سرفہرست ہیں، بعض دوسری کتب میں بھی وہ ملتی ہیں
ک کی موطا اور امام ترمذی کی جامع میں وہ موجود نہیں ہیں، ان
ہے اور سرفہرست ہے اور یہ بھی توجہ طلب ہے کہ امام مالک نے
یات امام ترمذی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے، سندی اعتبار
یات ملتے ہیں: ایک طبقہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی
ر رشید اور تابعی جلیل حضرت سعید بن جبیرؒ نے نقل کی ہیں اور
ین اور مسند احمد کی روایات کا یہ طبقہ ان ہی سے مروی ہے۔
بوموسیٰ اشعریؓ سے مروی روایات صحیحین ہیں اور صحابی جلیل
ن شہابؒ ہیں۔
حدیث حضرت ابی ہریرہؓ دوسی ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی

ں ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ خزرجی انصاری کی
ں یہود کے روزے کا حوالہ ہے۔
اور سندی حیثیت سے حضرات ابن عباسؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ
یات کا شمار مراسیل صحابہ میں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ ہجرت
تھے، لہذا انہوں نے یہ تمام روایات و احادیث دوسرے
حابہ سے اخذ کی تھیں اور ان کا حوالہ موجود نہیں، بلاشبہ محدثین
مراسیل صحابہ معتبر، ثقہ اور حجت ہیں اور ان کی ثقاہت سے
بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ ان احادیث کے صحابی راوی اس

وقت موجود نہ تھے اور انہوں نے دوسروں سے اخذ کیا ہے، وہ بہر حال مراسیل ہیں۔

متنی تحقیق کا معاملہ اور بھی اہم ہے، ان کے متن، موضوع اور مفہوم اور ان کا اطلاق کے لحاظ سے اسے کرنا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت وسند سے مروی احادیث میں یہودی سنت اور موسوی روایت کا واضح ذکر پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ رسول اکرمؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھ کر یہود مدینہ سے اس کا سبب معلوم کیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کے فرعونی مظالم سے نجات پانے، حضرت موسیٰ کے بہ طور شکرانہ روزہ عاشوراء رکھنے کی بات کہی، اس بنا پر رسول اکرمؐ نے حضرت موسیٰ سے اپنی خاص نسبت کا اظہار فرمایا اور خود بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا، حضرت ابوہریرہ دوسیؓ کی مماثل حدیث کی سند اگرچہ مختلف ہے مگر متن یکساں ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کو غریب کہا گیا ہے مگر اس میں ایک متنی اضافہ بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ حضرت نوحؑ کا سفینہ بھی اسی دن جودی پہاڑ پر رکا تھا اور انہوں نے بھی بہ طور شکر روزہ رکھا تھا، حافظ ابن حجر کا یہ خیال کہ حضرت نوحؑ کا ذکر محض مشارکت کے سبب ہے صحیح نہیں ہے (۳۱۵/۴) کیوں کہ روزہ عاشوراء محض یہودی و موسوی روایت نہیں تھی۔

بہ اعتبار متن دوسرے طبقہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی روایات ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ یوم عاشوراء یہودیوں کا عید کا دن تھا جس کی وہ تعظیم کرتے تھے اور آرائش و زیبائش کے علاوہ روزہ بھی رکھا کرتے تھے، رسول اکرمؐ نے ان کا روزہ عاشوراء لے لیا اور اس کو رکھنے کا حکم مسلمانوں کو دیا، ان میں آپؐ کے روزہ رکھنے یا حضرت موسیٰ کے شکرانے وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت مسند میں رسول اکرمؐ کے حکم روزۂ عاشوراء کا ذکر ہے اور یہودیوں کے بھی روزہ رکھنے کا ذکر ہے مگر یہودی سنت یا موسوی شریعت کا علاقہ و ربط اسلامی حکم نبوی سے نہیں جوڑا گیا ہے بلکہ ان دونوں کو دو آزاد واقعات کے بہ طور بیان کیا گیا ہے یعنی مسلمانوں کو بھی یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم نبوی عطا ہوا اور اس دن اتفاق سے یہود بھی رکھتے تھے، لہذا حضرت جابرؓ کی روایت کا متن اسے اسلامی فریضہ سے متعلق احادیث سے مربوط کرتا ہے اور یہود کا حوالہ محض ایک معاصر واقعاتی حوالہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث و روایت میں حضرت نوحؑ کے روزۂ شکرانہ کے ذکر نے اسے خالص یہودی روایت اور موسوی سنت نہیں رہنے دیا ہے بلکہ اسے اسلام کے اولین مظاہر اور سابقہ

بنادیا ہے جو نبی بعد نبی منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰؑ تک پہنچا تھا اگر
ں سے اس دن یہودی یوم نجات پر پڑ گیا تھا، جس طرح اس مبارک
م کے وقت سے متعدد اہم واقعات ہوتے رہے تھے، لہذا وہ اسلامی
ک، ۴۸/۳ میں مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے ان تاریخی واقعات
ے نقل کیا ہے)

ے متعلق احادیث وروایات کے متون کے علاوہ بعض توجیہات شارحین
یں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ کے علاوہ دوسرے قدیم وجدید
ل نظر شامل ہیں، ان کی بعض توجیہات خاص ہیں اور بعض عام ومشہور،
جیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد رسول اکرمؐ نے روزۂ
وہ زمانہ تھا جس میں آپؐ اہل کتاب سے موافقت پسند فرماتے تھے
ں آپؐ کے پاس وحی الٰہی یا دوسرے ذریعہ سے کوئی حکم الٰہی ثابت نہ
تھا لہذا آپؐ نے وحی کی غیر موجودگی میں اپنی موافقتِ اہل کتاب کے
ں قبول فرمایا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس توجیہ کو یوں نقل فرمایا ہے:

حب موافقة اهل الکتاب فیما لم یومر فیه بشئی
ا یخالف فیه اهل الاوثان ......فهذا من ذلک
ن احق بموسی منکم ......"۔(فتح الباری، ۳۱۱/۴)

یث نے بھی اسی موافقت اہل کتاب کی توجیہ وتشریح پیش کی ہے
دیث مولانا محمد زکریاؒ (۴۹/۳)۔

ت اہل کتاب کا نظریہ صحیح ثابت نہیں ہوتا جس پر اس کے قایل شارحین
ل فکر ونظر نے واضح کیا ہے کہ رسول اکرمؐ مکی دور سے روزۂ عاشوراء
حنفی کی پیروی میں بھی تھا اور ایک اسلامی حکم بھی، اولین دور مدینہ
ر میں بھی وہ اتفاقی واقعہ تھا اور وہ دراصل مماثلت شریعت اسلامی تھی،
کو مختار قرار دے کر اس کا اختصار پیش کیا ہے کہ مدینہ میں بھی آپؐ نے

اس کو اسی طرح رکھا جس طرح آپؐ قریش مکہ کی مانند پہلے سے رکھتے آرہے تھے، مدینہ آکر آپؐ نے یہود کو روزۂ عاشوراء رکھتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے بھی رکھا لیکن اس کو وحی کے سبب، تواتر کے عمل میں یا اجتہاد سے رکھا نہ کہ صرف یہودی روایت وخبر وبیان کی بنیاد پر رکھا تھا، متن نووی ہے:

" قلت: المختار قول المازری و مختصر ذلک انه ﷺ کان یصومه کما تصومه قریش فی مکة ثم قدم المدینة فوجد الیهود یصومونه فصامه ایضا بوحی او تواترا و اجتهاد لا بمجرد اخبار احادهم ......"۔(المنهاج ۲۰۲/۲)

مخالفتِ یہود سے متعلق احادیثِ نبویؐ صیام عاشوراء سے متعلق احادیث نبوی کا ایک طبقہ جہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ موسوی سنت کی پیروی میں مسلمانوں کو روزۂ عاشوراء رکھنے کا حکم رسول اکرمؐ نے دیا اور پوری تاکید شرعی اور تسلسل حکمی کے ساتھ دیا، وہاں دوسرا طبقہ یہ بتاتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ان کی عمومی مخالفت کے علاوہ یوم عاشوراء کے سلسلے میں بھی اختلاف کا حکم دیا، ان روایات و احادیث کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ عاشوراء سے ایک دن پہلے نویں محرم یا ایک دن بعد گیارہویں محرم کو بھی روزہ رکھیں اور آپؐ نے اپنے ارادہ صادق اور عزم راسخ کا بھی اظہار فرمایا کہ اگلے سال بشرط حیات آپؐ نویں کا بھی روزہ رکھیں گے، پہلے ان تمام احادیث وروایات کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ بعد میں ان پر مختلف جہات سے بحث کی جاسکے، اس باب میں بھی دو طبقات حدیث ہیں: اول آپؐ کے ارادے سے متعلق اور دوم آپؐ کے مخالفت یہود کے حکم سے وابستہ لہذا پہلے ارادہ نبویؐ کی احادیث:

ارادہ نبویؐ سے متعلق احادیث (۱۳۳)(۱۱۳۴) وحدثنا الحسن بن علی الحلوانی حدثنا ابن ابی مریم حدثنا یحییٰ بن ایوب حدثنی اسماعیل بن امیه انه سمع ابا غطفان بن طریف المری یقول: سمعت عبد اللّٰه بن عباسؓ یقول: حین صام رسول اللّٰه ﷺ یوم عاشوراء وامر بصیامه قالوا: یا رسول اللّٰه ﷺ! انه یوم تعظمه الیهود والنصاری فقال رسول اللّٰه ﷺ فاذا کان العام المقبل ان شاء اللّٰه صمنا الیوم التاسع قال: فلم یات العام المقبل حتی توفی رسول اللّٰه ﷺ۔(مسلم،

، باب ما روی ان عاشورا ، الیوم التاسع ،حدیث۲۳۳۲، ۴۱۷)
ا ابو بکر بن ابی شیبة وابو کریب قالا : حد ثنا وکیع
لقاسم بن عباس عن عبد الله بن عمیر " لعله قال
س قال : قال رسول الله ﷺ لئن بقیت الی قابل
ایة ابی بکر قال : یعنی یوم عاشوراء ۔(مسلم ،
ه، سنن ، باب صیام یوم عاشوراء ،حدیث:۱۷۳۶،
افة ان یفوته عاشوراء)

ا (ای عن ابن عباسؓ) قال : قال رسول الله ﷺ : لئن
ن الیوم التاسع ۔(مسند احمد ، ساعاتی ،۱۸۹/۱۰)
ہود ونصاریٰ کی روایت واحادیث کی زمانی توقیت اور درایتی تحلیل
آئیں، اول یہ سرے سے ذہنوں سے نکل گیا کہ عاشوراء کا روزہ
غی کا حکم ہے اور صدیوں سے چلا آرہا تھا، دوم سب سے زیادہ
ہوا کہ رسول اکرمؐ کے پورے مکی دور کے معمول نبوی اور اسلامی
طور سے یہ نکلا کہ عاشوراء کے مکی اسلامی فریضہ اور دین ابراہیمی
ے بالکل نہیں جوڑا گیا، چہارم یہ کہ یہودی روزۂ عاشوراء کو اصل
ید سنت نبوی بنادیا گیا جس نے اور بھی غلط فہمیاں جنم دیں۔
درایتی تجزیہ کیا جاتا تو ان غلط فہمیوں اور کج نظریوں کا سد باب
کے مدینہ آنے کے بعد یہودی روزۂ عاشوراء کے مشاہدہ و علم نبوی
ینے کا نتیجہ برا نکلا، اسی طرح رسول اکرمؐ کے اسلامی مکی روزۂ
نے کو یہودی روایتِ روزہ کا پرتو سمجھ لیا گیا حالاں کہ صورت حال
ینا اسلامی روزۂ عاشوراء رکھا اور اسی کو رکھنے کا حکم مدنی طبقات کو
ں بھی رکھتے تھے، اس روایت موسوی کا معاملہ رسول اکرمؐ کے علم
المبارک کے روزے فرض ہوگئے اور روزۂ عاشوراء کی فرضیت

منسوخ ہوگئی ، بعد میں رسول اکرمؐ نے یہودی روزہ کی تحقیق کی اور فرضیت رمضان کے بعد حضرت موسیٰ کی روایت وسنت میں عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو مستحب روزہ پر آمادہ کیا۔

رسول اکرمؐ کے حیاتِ دنیاوی کے آخری برس بلکہ محرم ۱۱ھ کے روز عاشوراء کا روزہ رکھا گیا تو آپؐ کی مزید توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی کہ یہودی اس دن کی خاص عزت و حرمت کرتے ہیں اور اسے قومی عید سمجھتے ہیں ،لہذا یہودی تیوہار سے اسلامی مسنون روزۂ عاشوراء کو ممتاز کرنے اور عام اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لیے آپؐ نے اگلے سال بہ شرط حیات نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنے کا عزم ظاہر کیا جو تقدیر الٰہی سے پورا نہیں ہوا کہ اسی سال ربیع الاول میں وفات ہوگئی، ۹؍محرم کے روزے کو عاشوراء کے روزے سے ملا کر دو دن رکھنے کا عزمِ نبویؐ اور اس سے متعلق احادیث کو دراصل اس پس منظر میں مطالعہ کرنا چاہیے۔

خوش قسمتی سے ہمارے قدیم وجدید شارحین حدیث میں سے متعدد اکابر نے رسول اکرمؐ کے نو محرم کو روزہ رکھنے کے عزم سے متعلق احادیث وروایات کا اس صحیح تاریخی پس منظر میں مطالعہ وتجزیہ کیا ہے جو بعض نظروں سے اوجھل رہا، امام نوویؒ کی بحث زیادہ تر حضرت ابن عباسؓ سے مروی یا ان کی طرف منسوب ایک روایت پر مرکوز رہی ہے اور بعض دوسرے شارحین نے بھی یہی طرز استدلال اختیار کیا ہے، اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا خیال یہ بتایا گیا ہے کہ عاشوراء سے مراد دراصل نویں تاریخ ہے جو عربوں کی ایک روایت پر مبنی ہے، جمہور سلف وخلف علما کے مسلک واتفاق سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عاشوراء سے محرم کی دسویں تاریخ مراد ہے نہ کہ نویں اور یہی تمام دوسری احادیث نبوی کے متون سے ثابت ہوتا ہے، اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اگلے سال نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھنے کا ارادہ کیا، لہذا امام شافعیؒ، ان کے اصحاب، امام احمدؒ و امام اسحاقؒ اور دوسرے علما کے نزدیک نویں دسویں دونوں کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور نویں کا روزہ رکھنے کا دسویں کے ساتھ جمع کرنے کا سبب یہ تھا کہ صرف دسویں میں جو یہود سے تشبہ ہوجاتا ہے اس سے بچا جاسکے۔

" وقال العلما: ولعل السبب فی صوم التاسع مع العاشران لا یتشبه بالیهود فی افراد العاشر وفی الحدیث اشارة الی هذا وقیل: للاحتیاط فی تحصیل عاشوراء، والاول اولی"۔ (نووی ،۲۰۵/۲)

یں تاریخ سے متعلق حدیث نبوی نقل نہیں کی ہے تاہم دوسرے علماو
ی حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث کہ عاشوراء سے مراد نویں
ریحات پیش کر کے اس خیال کی تردید کی ہے، اسی ضمن میں امام نوویؒ
روزے کو عاشوراء کے روزے سے ملانے والی روایات کا تجزیہ کیا
ؒ کے ہاں ملتا ہے، البتہ ان کی بحث کافی مدلل و مفصل ہوگئی ہے۔
ے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ عاشوراء یعنی دسویں تاریخ کو روزہ
نویں کے روزہ کو اس سے ملانے کی نیت کی تو اسی حدیث کے متن
ہ پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ نویں کے روزے کو دسویں کے
یت رکھتے تھے، غالباً احتیاط کی خاطر یا یہود و نصاریٰ کی مخالفت
سلمؒ کی بعض روایات سے اسی کا ادراک و شعور بھی ہوتا ہے جیسا
:

انہ ﷺ کان یصوم العاشر وھم بصوم التاسع فمات
م التاسع یحتمل معناہ انہ لا یقتصر علیہ بل یضیفہ
طالہ واما مخالفۃ للیھود والنصاری وھو الارجح وبہ
"(فتح الباری، ۳۱۱/۴، نیز ملاحظہ ہو: ان اقوال کی نقل و شرح کے
۴۳۳-۴۳۴، شیخ محمد زکریا کاندھلوی، اوجز المسالک، ۴۹/۳-۵۰)
ے بعد واضح احکام الٰہی کی عدم موجودگی میں اہل کتاب کی موافقت
ں صرف دسویں (عاشوراء) کا روزہ آپؐ نے اسی موافقت کی سنت
ﷺ یحب موافقۃ اہل الکتاب فیما لم یؤمر فیہ
ما یخالف فیہ اہل الاوثان ....." (فتح الباری، ۴/
ن مدنی دور میں موافقت کی بات نہیں کہی بلکہ فتح مکہ کے بعد
نے کے بعد بھی ان کی مخالفت نبوی کا نظریہ پیش کیا ہے اور سب
ں عاشوراء کا روزہ اہل کتاب کی موافقت میں رکھا تھا۔

ان کا یہ نظریۂ موافقت و مخالفت اہل کتاب کم از کم روزہ عاشوراء کے معاملے میں صحیح ثابت نہیں ہوتا ہے، اول دلیل اور حدیث یہ ہے کہ رسول اکرمؐ ہر بات اور ہر معاملہ میں نہ اہل اوثان کی مخالفت کرتے تھے اور نہ اہل کتاب کی موافقت و مخالفت، رسول اکرمؐ نے ہر اچھی چیز کو قبول کیا اور دینی معاملات میں صحیح احکام حنفیی کی پیروی کی خواہ اہل اوثان اس کو مانتے ہی کیوں نہ ہوں، آپؐ نے مکی دور میں روزۂ عاشوراء رکھا، بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی اور مسلمانوں سے بھی بعثت کے بعد رکھوایا، قریش اور دوسرے "اہل اوثانِ عرب" بھی اس زمانے میں روزۂ عاشوراء رکھا کرتے تھے، آپؐ نے ان کی اس معاملہ میں مخالفت نہیں کی کہ صرف روش اہل کفر کی مخالفت کرنا مقصود نبویؐ تھا ہی نہیں، مخالفت و اختلاف تو صرف نامعقول اور مشرکانہ کاموں میں فرماتے تھے، افعالِ خیر خواہ ان کا حکم ہو یا نہ ہو قبول فرماتے ہی نہیں تھے بلکہ ان پر عمل کرتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا حکم بعد نبوت دیتے تھے، موافقت اہل کتاب کے خیال سے اول دور میں رسول اکرمؐ نے روزۂ عاشوراء نہیں رکھا تھا بلکہ مکی دور سے اسے اسلامی روزہ کے بہ طور رکھتے آرہے تھے اور پھر پورے مدنی دور میں آپؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور وہ فتح مکہ کے بعد ہی نہیں بلکہ حیات دنیاوی کے آخری برس تک رکھا، حیرت کی بات ہے کہ آگے بحث میں حافظ موصوف نے یہی لکھا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ کسی حال میں بھی آپؐ نے ان کی اقتدا میں روزۂ عاشوراء نہیں رکھا، (۳۱۴/۴) لیکن پھر موافقت اہل کتاب کا نظریہ یہاں بھی پیش کر دیا:" وعلی کل حال فلم یصمہ اقتداء بھم فانہ کان یصومونہ قبل ذلک وکان ذلک فی الوقت الذی یحب فیہ موافقۃ اھل الکتاب فیما لم ینہ عنہ....."

پورے دس سال تک رسول اکرمؐ کا روزۂ عاشوراء موافقت اہل کتاب میں نہیں رکھا گیا تھا اور حیات طیبہ کے اواخر میں آپؐ نے جس ارادہ کا اظہار فرمایا تھا، وہ یہودی عید سے تشبہ کا معاملہ تھا، محض ان کے روزۂ عاشوراء سے مخالفت کا معاملہ نہ تھا، غلط فہمی یہاں یہ ہوگئی کہ آپؐ کے ارادے و نیت کے پس پشت پنہاں وجہ و سبب کو نہیں سمجھا گیا اور سب نے یہی لکھا، مزید بحث مخالفت یہود یا مخالفت اہل کتاب کے حکم نبوی پر مبنی احادیث کے ضمن میں آگے آتی ہے۔

(باقی)

ظہیرالدین محمد بابر

اولوالعزم فاتح اور مدبر حکمراں

ز:- جناب محمد شمیم اختر قاسمی صاحب ☆

(٢)

دکا بہار پر قبضہ | بابر کو جب ذرا سکون میسر آتا تو وہ تفریح کے لیے
رقدرتی مناظر اور باغ باغیچوں سے لطف اندوز ہوتا، مالوہ کی جنگ
لیا، سیر و تفریح کے علاوہ مقدس مقامات کی بھی زیارت کی، یہیں
ب کا پودا اپنے ساتھ آگرہ میں لگانے کے لیے اس لیے لایا کہ یہاں
الحکومت پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ بلوچ متحد ہو کر سرکشی و بغاوت پر
لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے بہار پر قبضہ جما لیا ہے اور اپنی
لکھنؤ کی طرف کوچ کرنے والا ہے اور اس کی فوج قنوج میں اکٹھا
یہ جائے پہلے سلطان کی خبر لینا ضروری سمجھا اور اپنے لشکروں کو
یا، اس جنگ کی قیادت محمود لودھی خود کر رہا تھا اور اس کی مدد کے
، ٦ مئی ١٥٢٩ء کو یہ جنگ گاگرا (گھاگرا) کے کنارے پٹنہ کے
سے دوچار ہونا پڑا، جب کہ نصرت شاہ والی بنگال نے بابر سے
طرح بہار بھی بابر کے تخت کا ایک حصہ بن گیا۔

بابر عادل اور انصاف پرور شخص تھا، لوگوں کے درمیان اس نے عدل

، اے - ایم - یو، علی گڑھ۔

قایم کیا، بہت رحم دل اور مہربان بھی تھا، اس نے آگرہ میں ابراہیم کی والدہ کی خدمت میں سات لاکھ روپیہ پیش کیا، مگر یہ بدبخت عورت نے بابر کے ساتھ غداری کی اور اس کے کھانے میں زہر ملوا دیا، اکبری دربار کا ایک شاعر بابر اور اس کے بیٹے ہمایوں کی مدح میں یوں رطب اللسان ہے:

"بابر، ہمایوں غازی صفت ہیں، قول و فعل اور فکر میں اٹل ہیں، اتنے طاقت ور ہیں کہ جسے چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں جن کو دیکھ کر دشمن ششدر رہ جاتے ہیں، باکمال بے کمال ہندو ترک بھی اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں"[1]

ایک اور شاعر کہتا ہے:

"شہنشاہ بابر جیسی حکومت کسی اور کی نہیں تھی، اسے گویا سلیمان کی مملکت مل گئی اور عمرؓ کا عدل، علیؓ کی تلوار سے حاصل ہے اور جس نے خشکی اور تری زیر کر لیا، حمزہؓ جیسی طاقت اسے مل گئی اور جو اس کے سامنے آئے مارا جائے"[2]

اس میں شبہ نہیں کہ بادشاہ نے انصاف کو اپنے ہاتھ سے کھونے نہیں دیا، اس نے رحم کی وہ مثال قایم کی جس کی نظیر کم ہی مل سکتی ہے، اس نے اپنے دشمنوں کو معاف کیا اور حکومت میں شامل کر کے اعزاز و اکرام سے نوازا، اس نے فیاضی کرنے میں اپنے دفینے خالی کر دیتا تھا، دوست و دشمن، اپنے پرائے کسی کو محروم نہ کرتا، جب وہ کسی جنگ میں کامیابی حاصل کرتا تو پہلے شکرانہ نماز ادا کرتا، اس کے بعد اپنے لواحقین کو ہدایا و تحایف سے نوازتا، فرشتہ اس کی فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"انتیس رجب کو بابر نے شاہان ہند کے دفینوں کا معاینہ کیا، بادشاہ نے ساڑھے تین لاکھ روپیہ نقد اور ایک سربمہر خزانہ ہمایوں کو عنایت کیا، محمد سلطان مرزا کو ایک کمر بند اور مرصع شمشیر اور ایک لاکھ روپے نقد دیے، اسی طرح دوسرے امیروں اور مرزاؤں اور لشکروں بلکہ طالب علموں اور سوداگروں کو انعام و اکرام سے نوازا، اس کے علاوہ بابر نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جو سمرقند و خراسان، کاشغر اور عراق میں تحفے اور ہدیے روانہ کیے، مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، کربلائے معلی، نجف اشرف، مشہد مقدس اور دوسری متبرک جگہوں اور مزاروں پر نذریں چڑھائیں، فقرا اور حاجت مندوں کے

ی کے لیے بھیجے، کابل کے تمام باشندوں کو شاہی انعام سے نوازا،
شاہ رخی جس کا وزن ایک مثقال چاندی کے برابر تھا، کس کے
المختصر پرانے بادشاہوں کی جمع شدہ دولت اس فقیر منش بادشاہ
ستادی اور اپنی بے نیازی کا سکہ دلوں پر بٹھا دیا"۔[۳]

دل وانصاف کا ایک بڑا اہم واقعہ یہ بیان کیا ہے:

نصف مزاجی بھی اعلا درجے کی تھی، اس کے انصاف کا یہ حال تھا کہ
ملک خطا کا ایک قافلہ آیا، اس قافلے پر بجلی گری اور سوائے دو افراد
مل ہوگئے، بابر کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے
فلے کے تمام مال واسباب کو جمع کرنے کا حکم دیا، اگرچہ اس
ئی وارث موجود نہ تھا لیکن بابر نے تمام سامان اپنے پاس بڑی
ں کے علاقوں میں اپنے آدمی بھیج کر مرحومین کے وارثوں کو بلوایا،
ے بعد بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے، بابر نے تمام سامان جو
ں کے حوالے کر دیا"۔ (ص:۶۰۹)

ں یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب اس کی سلطنت پوری طرح قائم
پاس روپے پیسے کی قلت تھی اور وہ شراب کا عادی تھا، باوجود اس
ی اور خدا ترسی کا مظاہرہ کیا۔ (منتخب التواریخ، ص:۹۴)

بر بیرونی تھا اور اسے ہندوستان میں لڑنا بھی پڑا تھا مگر اس نے
وشش بھی کی تا کہ اس کی حکومت ہر قسم کے ضعف واضمحلال سے محفوظ
میں اتنی طویل وعریض اور مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب
ح غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمدردی ورواداری کا مظاہرہ کیا، نہ
دل اسلام پر مجبور کیا، ہندوانہ مراسم ادا کرنے پر کوئی پابندی نہیں
ر چھاڑ نہیں کرتا تھا، ان کو ان کے حال پر ہی رہنے دیتا تھا مگر ان
ں کی نہ کرتا، اپنے بیٹے ہمایوں کو جو وصیت نامہ تحریر کیا، وہ اس کا

بین ثبوت ہے جو یہ ہے:

"فرزند من! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالی کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا، تمہیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

(۱) تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے کسی رعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا، (۲) گاؤکشی سے بالخصوص پرہیز کرو تا کہ اس سے تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریے کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں، (۳) تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہیے تا کہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن وامان رہے، (۴) اسلام کی اشاعت ظلم وستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف واحسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی، (۵) شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو، کیوں کہ ان سے اسلام کمزور ہو جائے گا، (۶) اپنی رعیت کے مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تا کہ حکومت بیماری اور ضعف سے محفوظ رہ سکے"۔[۴]

یہ وصیت نامہ بھوپال کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے، اس کے متعلق تحقیق وتفتیش بھی کی جا چکی ہے کہ اصلی ہے یا نقلی، محقق اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جعلی نہیں ہے، اس وصیت کا گہرا مطالعہ بابر کی شخصیت کو نئے نقطۂ نظر سے جانچنے پر مجبور کرتا ہے،[۵] اگر یہ وصیت اصل ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بابر نے مغل حکومت کی داغ بیل سیکولر اور انسانی اصولوں پر رکھی تھی اور اپنے آنے والے وارثوں کو ہدایت کے طور پر جہاں بانی اور تہذیب کا ایک نیا راستہ بھی دکھایا تھا تا کہ مغل حکومت ایک نئی اور مثالی حکومت بن سکے۔

مغل حکومت کو استحکام اور عروج بخشنے میں بابر کی اولاد نے بھی بابر کی وصیت پر عمل کیا اور ہند، مسلم اتحاد کے لیے اس نے اس بات پر زور دیا کہ جس چیز سے برادران وطن کو تکلیف اور اذیت پہنچے اور اسلام کو نقصان نہ پہنچے، اس سے پرہیز کیا جائے لہذا اس نے گاؤکشی سے منع کیا، ایک بار کا

ر ہا تھا، خبر ملتے ہی کامران اہل و عیال کے ساتھ پنجاب بھاگ
ہا کہ قلعہ میں تشریف لے چلیے، ہمایوں قلعہ میں آیا اور دیوان خانہ
ک لگی ہوئی تھی، رقیہ بیگم کو حکم بھجوایا کہ کھانے کا بندوبست کریں،
اور کباب خدمت میں پیش کر دیا، جیسے ہی ایک لقمہ بادشاہ نے
ے کے گوشت کا ہے، اس نے لقمہ منہ سے گرا دیا اور کہا کہ:

ران، تیری تباہی کا باعث ہے کہ تو لذت طعام کے لیے
، فرزندانِ بابر کے لیے گائے کے گوشت سے پرہیز لازم
وہی کرنا چاہیے جو ہمارے والد بزرگوار کرتے رہے ہیں،
سکتی ہیں تو اس جانور کو کیوں ضایع کرتے ہو"۔[۶]

ر کو علما کی قدردانی اور علم نوازی دادا اور نانا دونوں طرف سے ورثے
علم نوازی کے لیے مشہور تھا، خود تیمور ایک صاحب علم، علما، فضلا
کے نانا بھی اس میدان میں بہت فایق تھے، عمر شیخ مرزا نے
ں کی لڑکی قتلق نگار خانم سے شادی کی تو اس کی ایک بڑی وجہ
خاں کی دوسری لڑکی خوب نگار خانم سے محمد حسین گورگان دوغلت
در مرزا دوغلت پیدا ہوا جو آگے چل کر تاریخ رشیدی کا مصنف
تے ہوئے لکھا ہے کہ:

نس خاں) مولانا شرف الدین علی یزدی کے ساتھ بارہ
ب کیا، ان کے ایسا خان ان سے پہلے اور بعد میں نہیں پیدا
گیا تو خان یزد سے عراق، فارس اور آذربائیجان کی طرف
مجلسوں میں شریک رہے، یہاں وہ استاذ یونس خاں کے
... ان میں بہت سے فضایل تھے، قرآن کی کتابت خوب
ر رکھتے تھے، موسیقی اور مصوری میں بھی ماہر تھے"۔[۷]
ں کا اثر بابر پر بھی تھا، علما و فضلا اس کی داد و دہش سے خوب متمتع

ہوتے تھے، اخوند میر جو حبیب السیر کے مولف ہیں، مرزا ابراہیم قانونی اور مولانا شہاب الدین میمائی وغیرہ کو بہت سے قیمتی تحایف سے نوازا، میمائی کی وفات بابر کی وفات کے ۵ سال بعد ہوئی[۸] اور خواجہ شیخ نظام الدین اولیا کی درگاہ میں سپرد خاک کیے گئے، یہ تمام علما اپنے اپنے فن کے بے نظیر استاد تھے اور ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔

شیخ زین الدین خاں معقولات و منقولات میں اپنے زمانے کے ممتاز عالم تھے، واقعات بابری کا انہوں نے فارسی زبان میں ترجمہ کیا[۹] اور مثنوی مبین کی شرح لکھی[۱۰] بابر انہیں بہت محبوب رکھتا تھا، انہوں نے آگرہ میں ایک عربی مدرسہ بھی قایم کیا، ان کی وفات اسی مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کے دوران ہوگئی لہٰذا انہیں اسی مدرسہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا[۱۱] بابر نے جب رانا سانگا پر فتح پائی تو انہوں نے مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا، اس فرمان کے لکھنے والے شیخ صاحب ہی تھے[۱۲] جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

"شاہانہ مغلیہ میں بابر فطری طور پر مذہبی واقع ہوا تھا، اس نے ترکی زبان میں اپنے لڑکے کامران کے لیے ایک مثنوی مبین لکھی جس میں مذہبی، فقہی اور اخلاقی مسایل پر دو ہزار اشعار ہیں، یہ کتاب فقہ بابری کے نام سے بھی مشہور ہوئی، وہ خواجہ عبداللہ احراری کا مرید تھا اور علم معقول اور منقول میں خراسان کے شیخ الاسلام سیف الدین احمد، علم کلام میں ملا شیخ حسن اور حدیث میں میر جمال الدین محدث کا قدرداں اور معترف رہا"۔[۱۳]

بزرگان دین سے عقیدت بابر صوفیہ اور صلحا کا بڑا قدرداں اور درویشوں کا عقیدت مند تھا، ان کا ادب و احترام بجالانے کو اپنی سلطنت کی کامیابی سمجھتا تھا اور ان کے حکم کی تعمیل کو موجب سعادت سمجھتا تھا، امور سلطنت میں بھی ان کے احکام کی تعمیل کرتا تھا، جب خواجہ عبیداللہ کا انتقال ہوا تو بابر پر اس کا گہرا اثر ہوا، اس وقت بابر نے ان کی شان میں جو شعر کہے ان سے اس کی خواجہ سے عقیدت کا پتا چلتا ہے:

در ہوائے نفس گر عمر ضایع کردہ ایم — پیش اہل اللہ زا فعال خود شرمندہ ایم
یک نظر با مخلصانِ خستہ دل فرما کہ یار — خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

حضرت عبدالقدوس گنگوہی جو کبار صوفیہ میں تھے بابر ان کی خدمت میں حاضری دیا

جنگ میں وہ لودھی کی فوج میں شامل تھے جن کو گرفتار کر کے
ھ دن بعد ان کی رہائی ہوئی، اس کے بعد حضرت شیخ نے بابر
میہ کی ترویج، عدل وانصاف اور حکومت کے نظام کو خلافت
لنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ وہ شہروں کو شریعت
ے، زکات کے علاوہ جو بھی ٹیکس مقرر کیے جائیں وہ شریعت
ا، ایمہ اور ضعفا کو عزت دے تا کہ وہ ہر زمانے میں اور ہر
جائیں اور اطمینان اور آرام سے زندگی بسر کر سکیں، حکومت
ین کرے اور وہ خود بھی اسلام کا پابند ہو اور نماز باجماعت
نے اسی طرح کے خطوط بابر کے بعد ان کے بیٹے ہمایوں

یہاں تک کہ شراب کے جو ظروف سونے چاندی کے تھے
ایاں کے وقت مل جاتی ہے۔

س کے ہم راہ علما اور اہل دین کی بڑی تعداد ہوتی تھی، جن
سایل میں بھی استفسار کرتا تھا، دین سے بابر کا شغف بڑھا
سونے چاندی کے ظروف بھی ضایع کر دیے۔

ت | بابر کو بچپن ہی سے کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق
قایم رہا، جو کتابیں اکثر اس کے زیر مطالعہ رہتی تھیں اپنی
یہ ہیں: قرآن مجید، سعدی کی گلستاں بوستاں، فردوسی کا
الدین علی یزدی کا ظفر نامہ اور ابو عمر منہاج الجوزی کی

ں کرتا بلکہ کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا، اس نے
رکھی تھی اور ایک عمدہ کتب خانہ اس کے پاس موجود تھا،
وہ غازی خاں کے قلعہ میں داخل ہوا، خزینوں اور دفینوں

کے علاوہ اسے سب سے قیمتی چیز جو دست یاب ہوئی وہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا، جس کی عمدہ عمدہ کتابیں اپنے لیے مخصوص کر لیں اور بقیہ کو اپنے بیٹے کی طرف منتقل کر دیں[۱۶]۔ صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم لکھتے ہیں:

"بابر سفر وحضر دونوں میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا، ۹۳۰ھ میں بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو لاہور کے پاس غازی خاں سے متصادم ہوا، غازی خاں کو شکست ہوئی تو بابر اس کے قلعہ میں داخل ہوا، جہاں اس کو بے شمار دولت ملی لیکن بابر کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا، غازی خاں بڑا علم دوست تھا، جید عالم ہونے کے علاوہ شاعری کا بھی اعلا ذوق رکھتا تھا، اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر رکھی تھیں، بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کر لیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ شہزادہ کامران کے لیے کابل روانہ کیں"۔[۱۷]

تعلیمی خدمت | بابر کی تعلیمی خدمات کی تفصیل نہیں ملتی مگر ایک جگہ وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"اگر چہ ہندوستان فطرت کی دل کشی و رعنائی سے معمور ہے لیکن اس کے باشندے دل کشی و رعنائی سے محروم ہیں اور ان کے تعلقات میں نہ تو دوستانہ ایثار و محبت ہے، نہ وفا کیشی و استواری، ان کو کوئی فطری کمال، کوئی فہم و فراست، کوئی حسن اخلاق، کوئی جذبہ فیض رسانی اور کوئی صحت احساس حاصل نہیں، صنعت وحرفت میں ان کے طریقوں کی طرح ان کے تصورات میں بھی فن کاری اور اصول و نظریے کا فقدان ہے، یہاں نہ حمام ہے، نہ موم بتیاں ہیں، نہ مشعلیں، نہ اسکول، یہاں تک کہ شمع دان بھی نہیں"۔

بابر نے اسکول کے فقدان کا جو ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی تعلیم کے لیے وہ ضرور فکر مند رہا ہوگا اور اس نے ان کی تعلیم کا بندوبست بھی کیا ہوگا، اس نے ہندوستان میں تعلیم کی کمی کا جو شکوہ کیا ہے وہ صحیح نہیں کیوں کہ دہلی سلطنت میں پورے ہندوستان میں اچھے اچھے تعلیمی ادارے قایم تھے، مسجدوں اور خانقاہوں سے بھی تعلیم و تعلّم کا کام لیا جاتا تھا۔[۱۸]

بابر کا ادبی ذوق | مغلیہ خاندان نے بڑے بڑے نامور بادشاہ پیدا کیے ہیں لیکن بابر کی ذات میں ایک خاص دل کشی اور امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہندوؤں کے برعکس جن کا کشتری طبقہ فنون جنگ

ال حاصل کرتے تھے، اس خیال کا حامی تھا کہ ایک شخص بہ یک وقت
تا ہے، چنانچہ وہ فقط ایک بہادر سپاہی اور قابل سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ
فرشتہ کے بیان کے مطابق علم موسیقی، شعر اور انشاء میں وہ بے نظیر تھا
عری میں علی شیر نوائی سے کم رتبہ اور تمام شعرائے ترکی سے بلند تر تھا[19]
خانہ میں موجود محفوظ ہے۔
ے ساتھ رہتے تھے، اس کی ایک ادبی مجلس جالہ میں ہوئی، شیخ زین الدین،
عرا ساتھ تھے مجلس میں یہ شعر پڑھا گیا:

چہ کند کس   جائے کہ تو باشی دگرے را چہ کند کس

نے لگے، بابر جو ملا علی سے بہت بے تکلف تھا ان سے مخاطب ہو کر

چہ کند کس   گاؤ کسے مادہ خرے را چہ کند کس

شعر کہنے کی وجہ سے دکھ ہوا کہ جب وہ مثنوی مبین جیسی مقدس چیز لکھ
بے ہودہ شعر نہ نکلنا چاہیے، اسی وقت سے اس نے ہزل کہنا ترک کر دیا۔
یں وہ اپنے خوش طبع دوستوں اور شاعروں کے ساتھ عیش و عشرت
بت سے اس نے حسب ذیل شعر کہا جو آج بھی مقبول ہے، یہ شعر
گیا:

خوش است   بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست[20]

یہ میں اکثر کو علم و علما سے بڑا لگاؤ تھا مگر صاحب تصانیف بہت کم تھے،
گونا گوں علمی کام انجام پائے اور متعدد مفید اور کار آمد کتابیں تصنیف و
نے بہ ذاتِ خود کوئی علمی کارنامہ انجام نہیں دیا، بابر تنہا وہ مغل فرماں روا
یف یادگار چھوڑی ہیں، جس کی وجہ سے وہ آج بھی علمی حلقوں میں
فات کا مختصر تعارف درج ہے:
ی بادشاہ بابر نے اپنے بیٹے کامران کے لیے ۹۲۸ھ میں ترکی زبان

میں تحریر کیا تھا جس میں مذہبی، فقہی، اخلاقی مسایل پر بحث کی گئی ہے، اس میں دو ہزار اشعار ہیں، یہ کتاب فقہ بابری کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کی شرح شیخ زین الدین نے لکھی تھی مگر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ کتاب صرف کامران کی تعلیم کے غرض سے ہی لکھی تھی اور اس کے دوسرے بیٹے ہمایوں کو اس کے ذریعہ مذہبی و اخلاقی تعلیم نہ دلائی گئی ہو، جب کہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلا قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم و صلاۃ کا سخت پابند تھا، کبھی وہ قسم نہ کھاتا تھا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگیں ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر سختی سے عمل کرتا، مسجد میں داخل ہوتے وقت کبھی بایاں پاؤں اندر نہ کرتا اور حسن ادب یہاں تک تھا کہ بے وضو خدائے عز و جل کا کبھی نام نہیں لیا[21] ممکن ہے کہ یہ سب باپ ہی کی تربیت اور اس مثنوی کا اثر ہو۔

اسی کتاب کی تصنیف کے بعد بابر بہت سے منہیات کے ارتکاب سے باز رہنے لگا تھا، وہ خود لکھتا ہے کہ:

"پہلے اس سے جو کچھ برا کہنے یا ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا، جب سے مبین کی نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں، حیف ہے کہ اس سے بے ہودہ لفظ بھی نکلیں اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین کھلیں، افسوس ہے کہ اس میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں، اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا، اس شعر کہتے وقت اصلاً خیال نہ رہا، ایک روز کے بعد بکرام میں آ کر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا، کھانسی بھی ہو گئی اور کھنکار میں خون آنے لگا، اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرف سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے، فَمَنْ نکث فانما ینکثُ علی نفسه ومن اوفی بما عهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیماً، میں نے بار دگر توبہ کی اور اس نالایق طرز سے دل ہٹا لیا، سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھے"۔[22]

تزک بابری: بابر کی تصنیف میں تزک بابری بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ کتاب غیر معمولی

اپنی طرز کی ایک بے نظیر کتاب اور بابر کی جامع صفات شخصیت کا دل چسپ
فہ سے خالی ہے، اس میں سنی سنائی باتوں کے بجائے آنکھوں دیکھی اور
ہے، مناظر فطرت، درختوں اور پرندوں سے بابر کو جو دل چسپی تھی اس کا
ن، افغانستان اور ہندوستان کے متعلق بڑی مفید باتیں درج ہیں، اس
ب کمال، اہل علم بڑے ذوق سے پڑھتے ہیں اور اس کے متعدد زبانوں
کتاب اصل میں ترکی میں لکھی گئی تھی، اس کا اصل نسخہ ریاست الور میں
ملا عبد القادر بدایونی وغیرہ نے اس کو ایک عمدہ تصنیف گردانا ہے اور
بیوں کے معترف ہیں، ہنری الیٹ لکھتا ہے کہ:

ی تزک ان سوانح عمریوں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے
...... یہ کسی طرح Expdtition of xenophon سے کم تر نہیں
Commentarie سے کچھ ہی کم ہو سکتی ہے ......، یہ کتاب نہ
ات کے لیے اہم ہے، بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن
ہ کہ یہ شہنشاہ (یعنی بابر) کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا اور اس کا
موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ بابر نے کابل، فرغانہ
ی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلم بند کیے ہیں وہ اپنی صداقت اور
سے آج بھی دل چسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں اور ان میں اضافہ نہیں
تان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے وہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے،
اء میں وہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا، اس نے یہاں جو کچھ دیکھا
صفحوں میں تحریر کیا ہے، اس ملک کے نہ صرف حدود اربعہ، آبادی،
ں وغیرہ کا صحیح صحیح حال لکھا ہے بلکہ یہاں کے پھلوں، پھولوں، درختوں،
ر آبی جانوروں کے عادات و خصوصیات سے متعلق اتنے مفید معلومات
وجودہ دور کے ماہرین نباتات و حیوانات بھی ان سے پورا فایدہ اٹھا
ں کے متعلق اپنے مشاہدات کا ذکر کرتا ہے اور پھر دوسروں سے جو

کچھ سنا تا تھا اس کا بھی تجزیہ کرتا ہے، آخر میں ان چیزوں کی ترقی کے لیے اپنے ذاتی مشورے بھی پیش کرتا ہے"۔[۲۳]

اس کتاب کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ اس کے تراجم سے ہوتا ہے، دنیا کی بیش تر اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا، سب سے پہلے فارسی میں اکبر کے حکم سے عبدالرحمن خان خاناں نے کیا، اردو میں مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی نے منتقل کیا، فرانسیسی میں M.Pavet de-Courteille نے ترجمہ کیا اور کئی مشہور اہل قلم نے انگریزی قالب میں ڈھالا، A.D.Beveridge نے انگریزی ترجمہ میں مفید حواشی اور عمدہ ضمیموں سے اپنی کتاب کو مزین کیا جس سے اس کتاب کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس کتاب کے تراجم اور اس کے علمی معیار کی جانچ کے سلسلے میں جو تحقیقی کام اب تک ہوئے ہیں اس کی ایک لمبی فہرست اردو دایرۃ المعارف اسلامیہ میں پیش کی گئی ہے۔

رسالہ والدیہ: یہ کتاب خواجہ عبید اللہ احرار کی مشہور تصنیف کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ ہے، بابر کو اپنے پیر و مرشد خواجہ صاحب سے غیر معمولی عقیدت تھی، جس کا اظہار اس کتاب کے ترجمہ سے بھی ہوتا ہے، یہ ترجمہ ۹۳۵ھ/۱۵۳۱ء میں کیا گیا جس کے وجوہ و اسباب خود بابر کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"جمعہ کے دن تیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی، ظہر کے بعد احتیاطاً کتب خانہ میں گیا، بہت دیر تک بے چینی رہی، دوسرے ہی دن ہفتہ کو بخار ہوا، کچھ جاڑا بھی چڑھا، سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں، حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو، اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ مقبول ہوا اور اس کا کہنے والا مرض فالج سے اچھا ہو گیا، اسی طرح میں بھی تندرست ہو جاؤں، اسی نیت سے وزن، رمل، مسدس مخبون وضرب کبھی مخبون محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمن جامی کا سبحہ بھی ہے رسالہ نظم کرنا شروع کر دیا، اسی رات میں نے تیرہ سفر لکھ ڈالے، بطریق التزام ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں، شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو، اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا ہے، خدا کی عنایت اور

ت سے جمعرات کے دن انیسویں کو ذرا افاقہ ہوگیا اور پھر صحت ہوگئی، ہفتہ
ں کی اٹھارہویں تاریخ کو نظم تمام ہوگئی، ایک دن باون شعر ہوئے"۔[۲۴]

ت کا اپنے خواجہ کی عقیدت کو اپنی بیماری کی شفایابی کی دلیل سمجھنا یقیناً اس
و بھی جذبہ کامل اور ایمان خالص سے معمور ہو کر بندگانِ خدا کی راہ نمائی و
ر سکتے ہیں کہ جب مثنوی مبین جو مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر ہے تو اس
یا، ایک شعر موزوں کیا تو ندامت ہوئی اور بیمار ہوا تو اسی من جانب اللہ
ئی تو اہل اللہ سے تعلق جوڑنے سے بیماری کے زایل ہونے کا سبب قرار
اور دین دار ہونے کا ثبوت ہے۔

ر بلند پایہ انشا پرداز اور شاعر تھا، ترکی شاعری میں اس کا مرتبہ بہت بلند
عوبتوں سے گھرا ہوا تھا اور اس کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آتے
یسر ہوتا تو مشق سخن کرنے لگتا، غرض اس اتھل پتھل کے باوجود بھی اس
ک مکمل دیوان تیار ہوگیا، اس کے علاوہ علم موسیقی، انشا پردازی میں بھی
میں ہے کہ:

حضرت را در نظم و نثر پایہ عالی بود خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی،
ت فصاحت و عذوبت واقع شدہ و مضامین تازہ درآں مندرجست"۔[۲۵]

چند اشعار سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

فرقت تودنستم   وگر نہ رفتن ازیں سہر می نوانستم

ت وہاں کے حاکم نظام خاں کے نام جو فرمان بھیجا اس میں یہ شعر بھی

ے میر بیانہ   چالاکی و مردانگی ترک عیاں است
ت نہ کنی گوش   آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بہ بیاں است[۲۶]

ر کا یہ شعر درج ہے جو بڑا ہی معنی خیز اور نصیحت آموز ہے:

ے طوطی خصلت   نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

درویشوں سے جو ہمدردی اور محبت بابر کو تھی اس کا غماز یہ شعر ہے:

درویشاں را اگر چہ نہ از خویشانیم   لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم
دور است مگوی شاہی از درویشے   شاہیم ولے بندۂ درویشانیم[۲۷]

بابر کی شاعری میں صوفیانہ رنگ کے عاشقانہ اور خمریہ اشعار کے ساتھ زندگی کے عام مسایل و تجربات کا ذکر بھی ہے، بعض متقدم شعرا بالخصوص نوائی کا اثر بھی اس کے کلام پر ہے لیکن کسی کی کورانہ تقلید نہیں ملتی۔[۲۸]

رسالہ عروض: بابر نے علم عروض پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا، یہ چغتائی یعنی ترکی زبان میں ہے، ۱۹۲۳ء تک اس رسالہ کا سراغ نہیں مل سکا، ابھی حال ہی میں ایم فواد کوبرونو کو پیرس کے ایک مخطوطے میں اس کا ایک نسخہ ملا ہے، اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ بعض اوزان نظم کے متعلق جو ترکی شاعروں نے استعمال کیے، اس کی دی ہوئی معلومات نوائی کی میزان الاوزان کی معلومات سے بہت زیادہ ہیں، اس میں بابر اپنے اشعار تحریر کرتا ہے لیکن اوزان میں جو اس کی ہی ایجاد ہیں وہ صرف ترک اشعار پیش کرتا ہے، اپنے دیوان کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ "رسالہ عروض فتح ہندوستان سے دو یا تین سال قبل ۹۳۲ھ/۱۵۲۵ء اور ۹۳۸ھ/۱۵۳۴ء کے درمیان پایہ تکمیل کو پہنچا"۔[۲۹]

خط بابری: بابر خطاطی کا بڑا قدر داں تھا، بلکہ خود بھی اس فن میں مہارت رکھتا تھا اور ایک نئے خط کا موجد ہے جو خط بابری کہلاتا ہے، اس طرز تحریر میں اس نے کلام مجید کے نسخے تیار کیے تھے جسے شرف قبولیت کے لیے مکہ معظمہ بھیجا تھا[۳۰] بابر نے اس خط کو ۹۱۰ھ میں ایجاد کیا مگر اس کا لکھنا آسان نہ تھا، اس لیے مقبول نہ ہوا، عہد اکبری میں یہ خط مفقود ہو چکا تھا مگر خوش نویس اساتذہ اس خط میں لکھنا کمال فن سمجھتے تھے، اکبر کے دور میں میر عبدالحیٔ مشہدی اس خط کا با کمال استاد تھا، عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں:

"بابر اپنی تزک میں اساتذہ نستعلیق میں سے سلطان علی مشہدی کا ذکر کرتا ہے جو سلطان حسین اور اس کے وزرا کے لیے کتابیں لکھا کرتا تھا اور ان کتابوں کی تصویریں بہزاد اور شاہ مظفر تیار کرتے تھے"۔[۳۱]

فلکیات سے دل چسپی: علم فلکیات، علم رمل، علم جفر وغیرہ سے بابر کو غیر معمولی شغف اور دل چسپی

ایوں بھی ان خوبیوں کا حامل تھا، اس کے دربار میں بھی فلکیات کے
ں کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا، سالک صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ت سے دل چسپی تھی، سمرقند کی رصدگاہ کا ذکر کرتے ہوئے اس
ی مدد سے الغ بیگ مرزا نے زیچ گورگانی بنائی جس پر اب تک
یچ کی اشاعت سے پہلے زیچ ایل خانی کا استعمال عام تھا جو
راغہ کی رصدگاہ کی مدد سے خواجہ نصر نے مرتب کی تھی، ہلاکو خاں
یں سات آٹھ سے زیادہ رصدگاہیں موجود نہیں، ان میں سے
بنائی تھی جس میں ''زیچ مالونی'' کی ترتیب کی گئی ایک اور بطلیموس
صدگاہ ہندوستان کے راجہ بکر ماجیت کے عہد میں تعمیر ہوئی، یہ
ں کو اب مانڈو کہتے ہیں) میں اجین اور دھار کا حکم راں تھا، ہندو
یار کی ہوئی زیچ استعمال کررہے ہیں، حالاں کہ یہ زیچ سب
ہے، اس رصدگاہ کو تعمیر ہوئے ۱۵۸۴ برس گزر گئے''۔[۳۲]

ہ بابر ایک عالم اور بڑا مورخ تھا۔

تعمیرات باغ بانی اور پھولوں سے بڑا شغف تھا، بابر کو ہندوستان
کا موقع نہیں ملا اور جس قدر موقع ملا وہ حکومت کو مستحکم کرنے اور
نے میں گزرا، اس لیے دوسرے شاہانِ مغل کی طرح اس نے
گر اس کے باوجود بھی اس نے تعمیر وترقی پر بڑی توجہ دی، اس
ں اور معمار جمع رہتے تھے، بابر لکھتا ہے کہ:

ں اسی شہر کے جو سنگ تراش میرے محلوں میں کام کرتے تھے
رہ، سیکری، بیانہ، دھول پور، گوالیار اور کول میں روزانہ ۱۴۹۱
یں مصروف رہتے تھے''۔[۳۳]

ن تعمیرات کی تفصیل اپنی کتاب ہمایوں نامہ میں بیان کی ہیں
چنانچہ وہ لکھتی ہیں کہ:

''اعلیٰ حضرت بادشاہ نے آگرہ میں دریا کے کنارے پر متعدد عمارتیں تعمیر کرنے کے احکام جاری فرمائے، ایک سنگین محل اپنے ذاتی استعمال کے لیے بنوایا جس کا خلوت خانہ حرم اور باغ کے درمیان تعمیر ہوا، دیوان خانہ میں بھی ایک سنگین گھر بنوایا جس کے وسط میں حوض اور چاروں برج خانے میں چار کمرے تھے''۔(ص ۲۷)

پھل اور پھول سے بابر کی رغبت پورے عہد مغلیہ میں ملک کو گل وگلزار بنانے کی کوششیں کی گئیں اور مختلف طریقوں سے ملک کو سنوارا گیا، بادشاہوں کو چمن بندی سے بڑی دل چسپی تھی جس کی ابتدا بابر سے ہوتی ہے، اس چمن بندی میں مختلف جگہوں کے پھول، پودے اور درخت لگائے گئے اور دارالحکومت کو ان سے زینت بخشی گئی، بابر نے جو باغ لگائے ان میں کابل کا باغ وفا اور باغ کلاں اور آگرہ کا رام باغ اور زہرہ باغ قابل ذکر ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ وہ گوالیار کی سیر و تفریح کے لیے گیا تو واپسی پر وہاں سے گلاب کے پودے بھی ساتھ لایا اور انہیں آگرہ میں لگایا۔

غیر مسلموں سے بابر کا برتاؤ پہلے گزر چکا ہے کہ ہندوستان مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے، اس لیے اس نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے بدظن ہوکر غیر مسلم اس کی حکومت اور اس کے مذہب کے خلاف ہوجائیں، اس نے زور زبردستی سے اپنا مذہب کسی پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی، اس کے خیال میں اسلام کی اشاعت تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ اخلاق اور عفو و درگذر اور رحم و کرم کے اوصاف سے کی جاسکتی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے جبراً کسی کو مسلمان بنایا ہو یا اختلاف مذہب کی بنا پر لوگوں کا قتل کیا ہو یا ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا ہو[۳۴] اس کے برعکس جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہوتے اور وہ صاحب اقتدار ہوتے تو مسلمانوں کو تنگ کرتے اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچاتے، حقیقت یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے زمانے سے مغلوں کے آخری دور تک جو سلاطین ہندوستان میں گزرے ہیں چند ایک کو چھوڑ کر سب کی دل چسپی اشاعت اسلام سے کم اور ملک کے انتظام و انصرام سے زیادہ رہی، یہاں اشاعت دین کا کام صوفیہ اور بزرگان دین نے اپنے حسن اخلاق سے کیا۔

غیر مسلموں کی نظر میں بابر کی اہمیت بابر ہندوستان کے مقبول بادشاہوں میں تھا، جس طرح مسلمانوں نے اسے قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا، اسی طرح انصاف پسند غیر مسلموں اور برادران وطن نے بھی

مورخ ڈاکٹر ایشور ٹوپا لکھتے ہیں:

میں دراصل اس بات کا چرچا اور پرچار ہوا کہ ہندوستان کی جانچ
بناؤ اور سجاؤ، کل ہندی تہذیبی نقطہ نظر سے کی جائے، اس لحاظ سے
س اس کو ایک خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے، اس امتیاز اور خصوصیت
اور امتحان تھا، سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسئلوں کے سمجھنے میں انہوں
صول کو برتا، عہد وسطیٰ کے تمام حکم رانوں میں مغل حکم راں ہی وہ
احیت تھی کہ وہ معاملات کو انسانی نظر اور ہمدردی سے دیکھ سکیں،
بات کا پتہ دیتی ہے کہ ان کی اسپرٹ کی کارفرمائی اور ان کے
، ہر کام کی انجام دہی میں اس کسوٹی کو بھی نظر انداز نہیں کیا، اس
ہوتا ہے جو بہادری، جفاکشی، سپاہ گری، علمی ذوق، ندرت پسندی،
سی انسانی خوبیوں کا ایک زندہ نمونہ تھا، اس کی شخصیت کے
"تزک بابری" سے بہ خوبی لگتا ہے، اس کی زندگی آزمائش اور
یں، تکلیفیں اور کٹھنائیاں بابر کی زندگی میں تہذیبی سہاگے کا کام
ندوستان پر تھوڑے عرصہ ہی حکومت کی لیکن اس کی سیاسی فطرت
پ لیا کہ ہندوستان میں مغل حکومت کا استحکام اور پایداری محض
ں ہو سکتی، اس کے ذریعہ سے حکومت کی بنیادیں مضبوط نہیں
مت کا شیرازہ جلد سے جلد بکھر سکتا ہے، اس کو اس بات کا یقین
ب اصلیت ہو جائے گا، ایسے راج کے قیام اور اس کے استحکام
اس کی رہنما ہی نہ بنی بلکہ مغل حکمرانوں کی انسان پسندی بھی
میں بابر کو اس ملک سے نہ کوئی ہمدردی تھی اور نہ دل چسپی، نہ
کو متاثر کیا اور نہ اس کے لوگ اور اداروں نے اس کے دل کو
ملک میں اپنے کو فاتح سمجھتا تھا لیکن بابر کی انسانی فطرت اور نظر
نے اجنبیوں کو اپنا لیا، اس نے وہ کام انجام دیا جو مغل کارنامہ سے

تعبیر کیا جاتا ہے، تزک بابری میں اس نے اپنی اور ہندوستان کی سچی تصویر کھینچی ہے جس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں تبدیلی کیوں کر ہوتی ہے، بابر کے آخری زمانے میں ہندوستان نے اس کے دل میں جگہ کی اور اس کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ ملک نفرت کے قابل نہیں بلکہ اپنا ہو سکتا ہے، جیسے جیسے اس کی زندگی کے دن اس ملک میں بیتتے گئے ویسے ویسے وہ ہندوستان کی اصلیت اور خوبی سے مرعوب ہوتا گیا"۔[۳۵]

بابر کی وفات اور قدرت کا کرشمہ کہا جاتا ہے کہ وفات سے قبل بابر کو خبر ملی کہ اس کا بیٹا ہمایوں جو سنبھل کی مہم پر تھا سخت علیل ہو گیا ہے، بابر نے حکم دیا کہ اسے فوراً آگرہ لایا جائے، یہاں پہنچا تو اسے سرسام ہو گیا، بیٹے کی حالت دیکھ کر بادشاہ سخت مضطرب ہوا، اسے اندیشہ ہوا کہ چھوٹا لڑکا تو جا تار ہا کہیں اس ہونہار بیٹے سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑے، علاج معالجہ سے جب افاقہ نہ ہوا تو دربار کے مخصوص مقربین نے کہا کہ آپ کے نزدیک جو چیز سب سے زیادہ قیمتی ہو، اسے نذرانہ کے طور پر راہ خدا میں دے دیں، بعض نے کوہ نور ہیرا کو صدقہ کرنے کا مشورہ دیا مگر بابر نے ان تمام چیزوں کے بجائے خود اپنے وجود کو اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے قربان کر دینے کو مناسب سمجھا، لوگوں نے اس سے روکا مگر اس کا ارادہ مستحکم تھا، چنانچہ رسم کے مطابق مریض کی چارپائی کے گرد تین مرتبہ چکر لگایا اور اس سے قبل وہ دو رکعت نماز ادا کر کے بیٹے کی صحت یابی کے لیے خود کو راہ خدا میں پیش کر دیا اور دعا کی کہ خداوندا تو میرے بیٹے کی جاں بخشی کر دے اور اس کے عوض مجھے اٹھا لے، اس چکر کے بعد ہمایوں حرکت میں آنے لگا مگر بابر کی طبیعت میں تبدیلی اور بے چینی شروع ہوئی، غرضیکہ ہمایوں تو اچھا ہو کر اپنی مہم پر واپس لوٹ گیا مگر بابر کی صحت روز بہ روز خراب ہوتی چلی گئی اور وہ ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء / ۹۳۶ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا، اس وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی، اس نے اس مختصر سی عمر میں ۳۶ سال ۸ ماہ ۲ یوم حکومت کی جس میں ۴ سال ۲ ماہ اور ایک یوم ہندوستان پر حکم راں رہا۔[۳۶]

بابر کی خواہش اور اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کو کابل کے ایک پہاڑ پر دفن کیا گیا ہے[۳۷] گو بابر کی وفات ہو گئی مگر وہ اپنی ان آٹھ خصوصیات کی بنا پر آج بھی لوگوں کے دلوں پر حکم رانی کر رہا ہے اور زندہ ہے، اعلا قوت فیصلہ، شریفانہ اولوالعزمی، فتح یابی، حکم رانی، رعایا کو خوش حالی عطا کرنے کا جذبہ، خلق خدا پر نرمی، سپاہیوں کا دل جیت لینا اور انصاف سے محبت کرنا۔[۳۸]

بابر کی آپ بیتی سے اس کی محبوبیت شخصیت کی عظمت، ایمان داری، قوت کارو
بی اندازہ ہوتا ہے، اس کی ابتدائی زندگی کی مشکلات نے اس کو بہادر، جفاکش
، اس کے اندر ہمت وحوصلہ اور مہم جوئی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر گیا تھا، اس کے
(شیر ببر) کا خطاب دیا تھا اور وہ اپنے دشمنوں پر شیر کی طرح جھپٹتا تھا، وہ حیرت
ت ارادی کا مالک تھا، اس کا ارادہ بہت مصمم ہوتا تھا، اس میں سنگین بحران پر قابو
مقابلہ کرنے کی صلاحیت بہ درجہ اتم تھی، وہ ایک نہایت مہذب اور شایستہ شخص
ستا تھا، عبادت گزار، پابند شریعت تھا، صوم وصلاۃ کی ادائیگی میں تساہل نہیں برتتا تھا
بہت کم سفاکی کا مظاہرہ کرتا تھا اور مجموعی طور پر مہربان، فیاض اور شریف النفس
ادب کی ایسی آبیاری کی جس کی نظیر نہیں ملتی، اس کے علمی وادبی ذوق کی وجہ سے
ملک وبیرون ملک کے مشاہیر علما موجود تھے جو اپنے اپنے فن میں جولانی طبع
سر پرستی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا، وہ ایک قابل جنرل اور فوجی حکمت عملی میں
مدت میں اس نے شمالی ہند کو فتح کر لیا، وہ پرجوش اور فصیح تقریروں سے اپنے
ت وحوصلہ بڑھا دیتا اور انہیں پر اعتماد بنا دیتا تھا، فوجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے
قت کو تباہ کر کے اور راج پوتوں کی ریاست کو کمزور کر کے مغل سلطنت کی بنیاد
نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ اپنی فتوحات کو مستحکم کر سکے، اس کی وجہ سے اس
پ کے مشن کو آگے بڑھانے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔[۲۹]

کے برخلاف ابراہیم لودھی کا رویہ اپنے امرا اور عوام کے ساتھ اچھا نہ تھا، ابراہیم
م کلام ہوتا تھا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا، اس کی غلط روش کی بنا پر لوگ اس سے
کے قریب ترین اشخاص بھی اس سے الگ ہو گئے اور بابر کو ہندوستان آنے کی
صرف یہ مقصد تھا کہ وہ آ کر ملک میں امن وامان کی فضا قائم کر دے، ان کا خیال
ل قائم کر کے بابر واپس چلا جائے گا مگر بابر ملک کو فتح کر کے یہیں بس گیا،
ک ہوتا تو بابر ہندوستان پر اتنی جلد اور آسانی سے قبضہ نہیں کر سکتا تھا، اس
تا تو اس کی نظر میں امرا، غربا اور عوام برابر تھے، وہ سب کو عزت کی نگاہ سے

دیکھتا تھا، اس نے ہندو مسلم کی تفریق نہیں کی بلکہ سب کی ضرورت کا پورا خیال رکھا، اپنے مذہب کی اشاعت میں زور وجبر سے کام نہیں لیا، اس کے آتے ہی ملک میں خوش حالی آئی، مفلوک الحال لوگوں کے اندر بھی خوش حالی کی لہر دوڑ گئی، اگر بابر کو طویل عمر ملتی اور لمبے عرصے تک حکومت کرنے کا موقع ملا ہوتا تو ملک کا نقشہ ہی بدل جاتا، بعد کے مغل حکم رانوں کا طریقہ حکومت بھی عمدہ اور بہتر تھا مگر ان کو وہ مقام نہ مل سکا جو بابر کو حاصل ہوا، بابر کا مطالعہ سنجیدگی اور بے تعصبی سے کرنے کی ضرورت ہے۔

حوالے

۱ ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات، ڈاکٹر سید اسد علی ترجمہ اردو ڈاکٹر ماجدہ اسد، ص ۳۷، ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۹۱ء دوسرا ایڈیشن ۲ ایضاً ص ۳۸ ۳ تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ مترجم عبدالحئی خواجہ، ص ۹۷-۵۹۶، مکتبہ ملت دیوبند ۱۹۸۳ء ۴ مسلم ثقافت ہندوستان میں، عبدالمجید سالک، ص ۴۷۹، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور ۱۹۹۷ء، رود کوثر، ص ۲۳ ۵ ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول، ڈاکٹر ایشور ٹوپا، ص ۱۱۵، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ ۱۹۶۲ء ۶ تذکرۃ الواقعات، جوہر ترجمہ انگریز، ص ۲۲-۱۲۱، بحوالہ مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۴۸۰ ۷ تاریخ رشیدی، حیدر مرزا مترجمہ ان-ایس-وائی-ڈی راس، ص ۱۵۵-۲-۷، بحوالہ بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبدالرحمن، ص ۵، مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۴۸ء ۸ دولت المغول فی الہند، ص ۱۳، ۹ منتخب التواریخ فارسی، ملا عبدالقادر بدایونی، ص ۳۴۱، ج ۱، مطبوعہ کلکتہ ۱۰ بزم تیموریہ، ص ۲۲ ۱۱ دولت المغول فی الہند ۱۲ بزم تیموریہ، ص ۲۱ ۱۳ ہندوستان کے سلاطین علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، سید صباح الدین عبدالرحمن، ص ۲۲، مکتبہ معارف، اعظم گڈھ ۱۹۶۴ء ۱۴ مکتوبات قدوسی، ص ۳۳۷، مطبع احمدی، بحوالہ اقبال کے محبوب صوفیہ، اعجاز الحق قدوسی، ص ۴۴۴، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء دوسرا ایڈیشن، مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، سید صباح الدین عبدالرحمن، ص ۶۲ ۱۵ بزم تیموریہ، ص ۶ ۱۶ تاریخ فرشتہ، تزک بابری، ص ۱۶۹، مطبوعہ بمبئی ۱۷ بزم تیموریہ، ص ۲۳ ۱۸ بابر نامہ، بیورج، ۵۱۸، ظہیر الدین محمد بابر، ص ۷۷-۱۷۶ ۱۹ مسلم ثقافت ہندوستان میں، ۵۳، اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ص ۸۱۸ ۲۰ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بزم تیموریہ، ص ۱۹-۱۸ ۲۱ ایضاً ص ۲۵ ۲۲ تزک بابری بیورج، ص ۲۵۳، بزم تیموریہ، ص ۲۰ ۲۳ تاریخ ہند، ہنری الیٹ، ص ۲۰-۲۱۸، بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۳-۱۲ ۲۴ تزک بابری (اردو) ص ۳۳۶، بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۶ ۲۵ اکبر نامہ، ص ۱۱۸، ج ۱، بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۵ ۲۶ تاریخ فرشتہ (اردو) ص ۵۹۸، ج ۱، تزک بابری بیورج، ص ۲۹۸ ۲۷ تفصیل کے

۲۸ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ،ص ۸۱۸ ۲۹ ایضاً ص ۸۱۷ ۳۰ مسلم
ب التواریخ ،ص ۳۴۳، رود کوثر ۳۱ مسلم ثقافت ہندوستان میں ،ص ۳۹۹
ہ مسلم ثقافت ہندوستان میں ،ص ۳۱۱ ۳۳ تزک بابری ، ارسکن ،ص ۳۳۴،
۳۴ ۳۳ مسلم حکومتوں کی رواداری ، احمد ، ۱۲۹، ادارہ تاج المعارف ، دیو بند
ی اصول ،ص ۱۱۵-۱۱۳ ۳۶ واقعات دار الحکومت دہلی ، بشیر الدین ،ص
، ۳۷ ایضاً، تزک بابری، ظہیر الدین محمد بابر، منتخب التواریخ، منتخب اللباب،
ر، مسلم حکمراں ، ہمایوں نامہ ، اکبر نامہ ، خلاصۃ التواریخ ، دولت المغول فی
۳ بابر کی کل سات بیوی تھیں ، عایشہ بیگم ، زینب بیگم ، ماہم بیگم (سب سے
رخ بیگم ، دلدار بیگم اور مبارکہ بیگم ، بابر کی اولاد میں ہمایوں سب سے بڑا بیٹا
کامران ، عسکری اور ہندل مرزا ہمایوں کے بعد پیدا ہوئے ، ایک بیٹی گلبدن
المغول فی الہند ،ص ۱۴) ۳۹ ظہیر الدین محمد بابر ،ص ۲۲۳ ۔

❁❁❁❁❁
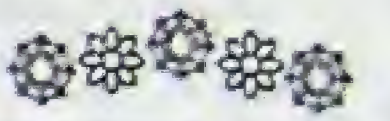
وازنہ انیس و دبیر (علامہ شبلیؒ)

قبول ادبی تصنیف ہے ، جس میں پہلے مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ
میر انیس کے کلام میں شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہیں
جاتے ، میر صاحب کا کلام فصاحت و بلاغت ، بندش کی صفائی ،
سلاست ، روانی ، روزمرہ و محاورہ ، مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے
ستعارات ، ترکیب کی دل آویزی ، واقعہ نگاری اور جذبات و احساسات
غیرہ کا بہترین نمونہ ہے ، اس کے آخر میں میر صاحب کا موازنہ
کہ وہ میر صاحب سے کم درجے کے شاعر اور مرثیہ نگار تھے ۔
ب کا نیا محقق اڈیشن شایع کیا ہے جو بہت خوبصورت اور مجلد ہے ۔
قیمت : ۱۱۰ روپے

☆☆☆

بعض جدید طبی مسایل اور ان کا شرعی حکم[1]

از:- مولوی عبدالمبین عبدالخالق ندوی ☆

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ " (العلق:۵) (اللہ نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا) امام شافعیؒ کا قول ہے "العلم علمان علم الفقہ للادیان و علم الطب للابدان " (مفتاح السعادہ ،ص: ۱/۲۶۷) (علم درحقیقت دو ہیں ، ایک علم فقہ ، دین جاننے کے لیے اور دوسرا علم طب ، جسمانی علاج کے لیے) جب دین سے رشتہ مضبوط تھا تو ان دونوں علوم میں مطابقت تھی مگر اب جوں جوں طبی میدان میں حیرت انگیز طور پر ترقی ہوتی جارہی ہے اسی قدر نئے نئے مسایل بھی مسلم معاشرہ میں پیدا ہوتے جارہے ہیں اور ان کی حلت و حرمت کا مسئلہ دین سے بعد اور روح دین سے بے خبری کی بنا پر مسلمانوں کے لیے بہت پیچیدہ ہوتا جارہا ہے ، علاوہ ازیں گزشتہ صدی میں ایسے علوم و فنون پیدا ہوگئے ہیں جو براہ راست عقیدہ و ایمان سے ٹکراتے ہیں اور کچھ نئی ایجادات و انکشافات بھی سائنس کے دوش پر سوار ہوکر خلق خدا کو گمراہ کررہی ہیں ، جن کو دور جدید کی ترقی اور سائنس کی برکت سمجھ کر بہت سے اہل ایمان بھی حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر انہیں قبول کر لیتے ہیں ، لہٰذا یہ سارے امور اس بات کے متقاضی ہیں کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہؐ کی روشنی میں ان کا ایسا حل پیش کیا جائے جو سبھی کے لیے قابل قبول ہو ، چوں کہ اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ روز اول سے ہر دور کی رہنمائی و سرپرستی کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے اس لیے یہاں اسی کی روشنی میں پیش آمدہ جدید طبی امور اور ان سے پیدا شدہ مسایل کا جایزہ لیا گیا ہے جن میں سے کچھ تو بالکل حرام ہیں اور کچھ طبی ایجادات قابل قدر ہیں جن سے استفادہ اسلامی حدود و

---

[1] یہ مقالہ ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ پاکوڑ (جھارکھنڈ) کے فقہی سمینار میں پڑھا گیا ۔

☆ استاد جامعہ ریاض العلوم ، دہلی و مدیر مرکز الدعوۃ والبحوث العلمیۃ ، سدھارتھ نگر ۔

م | صنف نازک جو دراصل ماں، بہن اور بیوی کے روپ
علق رسول اللہؐ نے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے کہ اتقوا اللّٰہ
عاملے میں اللہ سے ڈرو)۔
و جبر روا رکھا جاتا ہے اور اسے صرف بچہ بنانے کی مشین سمجھا
اس کے رحم کی بھی تجارت کی جانے لگی ہے جس کو انگریزی
ل ماں کہتے ہیں۔
کو بچہ پیدا نہیں ہوتا ہے تو دوسری تندرست عورت کو کچھ
ر لی جاتی ہیں اور اس میں طریقہ یہ اپنایا جاتا ہے کہ بانجھ اور
طفے سے ایک تشتری میں سائنٹفک طریقے سے فرٹیلائز کرتے
ت کے رحم میں داخل کر دیتے ہیں اور وہ عورت حاملہ ہو جاتی
ے جس میں تمام جینی خواص شوہر کے پائے جاتے ہیں مگر
ہیں جب دوسری عورت کے رحم کو ایسے مرد کے نطفے سے
عی طور پر یہ قطعاً ناجائز ہے بلکہ باطل اور حرام ہے، کیوں کہ
اخل کرنا زنا کے مترادف ہے، اس طرح گویا رحم مادر کی
یں نہیں لیکن اس جدید زمانہ میں یہ مغرب کی دین ہے جس
س طریقے سے پیدا ہونے والا بچہ ماں باپ کی شفقت و محبت
باب یہ ہیں:
و تولید میں براہ راست مداخلت ہے، ۲- یہ عمل عورتوں کے
م کو پیسوں کی لالچ میں بے جا طریقہ سے استعمال کریں،
ے بچنے کے لیے سروگیٹ ماں کی تلاش کریں گی، ۴- رحم کی
ے جس کا بچہ اس نے جنا ہے دعویٰ اور مطالبہ کر سکتی ہے کہ

۵ مارچ ۲۰۰۴ء کے راشٹریہ سہارا اردو میں یہ خبر چھپی ہے کہ امریکہ کی ایک خاتون نے اس کا مطالبہ کیا بھی ہے، ان کے علاوہ بھی اس سے اور متعدد پیچیدگیاں اور گوناگوں مسایل پیدا ہوں گے، خونی رشتوں میں انتشار پیدا ہوگا اور وراثت کے مسایل الگ پیدا ہوں گے، اسلام سائنس کی ترقی کے خلاف نہیں ہے لیکن اس کی نگاہ مسایل کے تمام پہلوؤں پر رہتی ہے، اس لیے اس کے احکام اعتدال و توازن پر مبنی ہوتے ہیں، چنانچہ علمائے اسلام نے اسے ہر حال میں ناجائز قرار دیا ہے اور اسے شریعت کے خلاف بغاوت تصور کیا ہے، رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی نے رحم مادر کی تجارت کی متعدد شکلیں بیان کرنے کے بعد چند طریقوں کو صحیح اور باقی کو حرام قرار دیا ہے اور شیخ ابن بازؒ نے دینی جذبہ رکھنے والوں کو مذکورہ طریقہ نہ اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے۔ (فقہی فیصلے، ص: ۱۹۰-۱۹۶، ناشر: اسلامی فقہ اکیڈمی، دہلی)

۲- ایڈز کی شرعی حیثیت ایڈز ایک مہلک پیچیدہ وبائی مرض ہے جو مخصوص وائرس کے نتیجہ میں زندگی کو تباہ کر دیتا ہے، یہ آج بھی ناقابل علاج بنا ہوا ہے جس کے خوف سے پوری دنیا لرزہ بر اندام ہے اور جو لوگ اس مرض میں گرفتار ہو جاتے ہیں وہ سماج کے ڈر سے نہ تو علاج کراتے ہیں اور نہ اسے ظاہر کرتے ہیں، اس کے لیے موثر ادویہ کی تلاش جاری ہے لیکن اس پر ابھی تک قابو نہیں پایا جا سکا ہے، یہ مرض جہالت و ناخواندگی کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیل کر ہندوستان میں بھی داخل ہو چکا ہے، ذرائع ابلاغ نے مرض کی حیثیت سے اس کا تعارف کرا رہا ہے لیکن یہ نہایت قدیم بیماری ہے جس کا تذکرہ قدیم طبی کتابوں میں قوت مدافعت ختم ہو جانے والی بیماری کے نام سے ملتا ہے مگر اسے اب تک چھوت کی بیماری سمجھا جا رہا ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مرض H.I.V. (Virous) وائرس کے ذریعہ انسانی جسم میں پھیلتا ہے جو ابتدا میں تو بہت معمولی اور غیر موثر ہوتا ہے، ایڈز کا پورا نام (Aquired Immune Deficiency syndrome) ہے، اس کے وائرس کی اطلاع پہلی بار امریکہ کے سنٹر فار ڈیزیز کنٹرول کے سائنس دانوں نے ۱۹۸۱ء میں دی تھی، پھر ۱۹۸۳ء میں فرانس کی راج دھانی پیرس میں ڈاکٹر مونٹگیر نے ایڈز کے وائرس کی شناخت کا دعویٰ کیا اور اس کا نام (A.L.V.) رکھا، اگلے ہی سال ۱۹۸۴ء میں امریکی سائنس داں گیلو نے اس وائرس کی کھوج کی۔

ت کا محسوس ہونا، بھوک نہ لگنا، وزن کم ہونا، بخار، کھانسی، خارش، جسم
کی علامات ہوتی ہیں، اطبا کہتے ہیں کہ بعض لوگوں میں اس کی علامتیں
ں ہیں بلکہ اس وقت اپنا اثر دکھاتی ہیں جب قوت مدافعت ختم ہو جاتی
ں جسم میں داخل ہو کر- ٹی (T) خلیوں کو تباہ کرنے لگتے ہیں جو جسم میں

ے پھیلتا ہے؟: اس مرض کا وائرس زیادہ تر خون اور مادۂ تولید میں پایا
س اپنے خون کا عطیہ کسی کو دیتا ہے یا کوئی غلط جنسی تعلق قایم کرتا ہے یا
دوسرا اس سے متاثر ہو جاتا ہے، ایک ہی سرنج (Syringe) سے کئی
س یہ پھیلتا ہے، اس سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے
ں پرہیز کرے اور اگر اسے خون دینے کی ضرورت پیش آئے تو اس
ں ہے کہ اس کے خون میں ایڈز کے وائرس تو نہیں ہیں اور اسی طرح
بھی پرہیز کریں۔

کی تعداد: اقوام متحدہ کے ادارہ برائے انسداد ایڈز کی رپورٹ کے
یڈز کے ذریعہ ساٹھ لاکھ لوگ لقمۂ اجل بن چکے ہیں جن میں تیس لاکھ
ے تھے، آج پوری دنیا میں ان کی تعداد ایک کروڑ پچانوے لاکھ سے متجاوز
ابق ایڈز سے متاثر افراد کی تعداد میں ہر سال بیس فیصد اضافہ ہو رہا ہے
ت اس مہلک بیماری سے بچنے کی ہدایت کرتی ہے لیکن جنسی انارکی اور
ر حصہ میں یہ دستور قایم ہیں، مثال کے طور پر صرف ممبئی میں ایک اندازے
ر طوائفیں ہیں ان میں سے ہر ایک اوسطاً روزانہ چھ سات مردوں سے
ں اس مرض کو بے تحاشا بڑھاوا ملتا ہے، ہندوستان کی شہری آبادی کا ۲۸
ب کہ ہندوستان کی ۷۵ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے جہاں شہروں
تیں میسر نہیں ہیں، اس لیے ایڈز آج بھی ان کے لیے ایک نامانوس
ے ملک کے ہر حصہ میں پھیل رہا ہے، اس کا علاج کیا ہے یہ ہمارے

موضوع سے خارج ہے البتہ شرعی احکام کیا ہیں، اس کی مختصراً وضاحت پیش ہے۔

ایڈز کے شرعی احکام

علما نے ایڈز کی مختلف شکلیں اور اسباب بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱- جنسی عمل یا خون دینے سے اگر مرض واقعتاً دوسروں تک منتقل ہوتا ہے تو مریض پر لازم ہے کہ ایسے کسی بھی عمل سے احتراز کرے جو دوسروں تک انتقال مرض کا موجب ہو، چنانچہ اگر کسی ایسے مریض نے اس مقصد سے جنسی عمل کیا یا اپنا خون کسی کو دیا اور بیوی کو یا جس کو خون دیا ہے، ایڈز کی بیماری لاحق ہو جائے تو شرعاً وہ شخص مجرم و قابل تعزیر قرار پائے گا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

۲- اور اگر قصداً ایسا نہیں کیا ہے مگر جانتا ہے کہ یہ عمل دوسرے کو مریض کر دے گا تو شرعاً گناہ گار اور مجرم ہوگا، البتہ پہلے کے مقابلے میں یہ جرم ہلکا سمجھا جائے گا۔

۳- تیسری صورت اضطرار کی ہے مثلاً مریض کے گروپ کا خون کہیں دست یاب نہیں اور بغیر خون دیے اس کی جان بچنی ممکن نہیں، ایسی صورت میں اگر کسی نے انسانی ہمدردی کے اقتضا سے خون دیا تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگا، البتہ اسے خون لینے والے کو اصل صورت سے مطلع کر دینا چاہیے۔ (طبی اخلاقیات: ص: ۱۸۹)

ایڈز کی وجہ سے فسخ نکاح

اگر کسی مسلمان عورت کا شوہر ایڈز کا مریض ہے مگر اس کی بیوی کو یہ مرض لاحق نہیں اور انتقال مرض کے خوف سے اس عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا ممکن نہیں تو ایڈز ان عیوب میں شامل مانا جائے گا جو تفریق کا سبب ہوتی ہیں، یعنی اس مرض کی بنا پر عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے، یہ مسلک مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوہر کے نامرد یا مقطوع الذکر ہونے کے سوا کسی اور صورت میں عورت تفریق کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے، (ہدایہ ۲/۴۰۱) اسی طرح اگر ایڈز کے مریض نے اپنا مرض چھپا کر کسی عورت سے نکاح کر لیا تو بھی اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا گو اس میں تفصیل ہے تاہم بنیادی طور پر اس کی دو شکلیں ہیں:

۱- یہ مرض جنسی اعتبار سے ایک کو دوسرے کے لیے ناقابل انتفاع بنا دے۔

۲- وہ مرض جو قابل نفرت ہوں اور ان کے متعدی ہونے کا اندیشہ ہو جیسے برص و جذام و جنون وغیرہ، اسی پر متاخرین علما کا فتویٰ ہے۔ (دیکھیے: سبل السلام، ص: ۳/۱۳۴، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ص: ۴/۱۸۰)

ت کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوائے امام ابوحنیفہؒ کے جمہور کے نزدیک
ں ہے جن کی وجہ سے عورت کو حق تفریق حاصل ہے، کیوں کہ یہ مرض برص،
ناک ومتعدی ہے اور جنسی ربط میں مرض کی منتقلی کا سبب بھی ہے، اس لیے
پنی جنسی تسکین حاصل نہیں کرسکتی ہے، بنا بریں وہ نامردی کے حکم میں ہے۔
ض بچوں کا اسکول میں داخلہ: ایڈز کے شکار چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں،
ے یہ ہے کہ احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کے باوجود انہیں تعلیم سے محروم نہ کیا
ں کا بنیادی حق ہے جس کے لیے علاحدہ ادارے اور اسکول بھی قایم کیے
ض خون کی منتقلی یا جنسی تعلق سے ہوتا ہے لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے یا ایک
نے یا ملنے سے نہیں پھیلتا اس لیے اسکولوں میں ان کے داخلے میں قباحت
کے دو متاثر بچوں کو اسکول سے اسی بنا پر نکال دیا گیا اور تمل ناڈو میں ایڈز
ں کو زندہ دفن کرنے کی کوشش کی گئی، نیز مہاراشٹر (جٹ تعلقہ) کی بے یارو
شوہر ایڈز سے مرچکا ہے اور بیٹا جو اس مرض سے محفوظ ہے دونوں کا سماجی
۲۰ر دسمبر ۲۰۰۳ء، عالمی سہارا، ص: ۲۷)

اگر حالت حمل میں بچہ پیٹ میں ایڈز کا شکار ہوجائے تو اس سلسلہ
ین میں روح ۱۲۰ دن کے بعد پھونکی جاتی ہے، اگر روح پیدا ہوچکی ہے اور
نے کا اندیشہ ہو تب بھی اسقاط جایز نہیں، نفخ روح کے بعد اسقاطِ حمل کی
ں ہے، شیخ الاسلام حافظ احمد بن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:
رام باجماع المسلمین" (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص: ۳۱۷/۴)، (اسقاط حمل

الکی لکھتے ہیں: "التسبب فی اسقاطه بعد نفخ الروح فیه محرم
تل النفس" (فتح العلی المالک، ص: ۹۹/۱) (روح پڑنے کے بعد اسقاط حمل
جماع حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے) البتہ روح پڑنے سے پہلے
نزدیک اسقاط کی گنجایش ہے، جس طرح کہ باپ میں اگر اتنی استطاعت نہ

ہو کہ دوسری عورت سے بچے کو دودھ پلوا سکے تو مولود کی غذائی ضرورت کے تحت حمل کا اسقاط کرا سکتا ہے
کیوں کہ بچہ کا موروثی طور پر ایڈز کے ساتھ پیدا ہونا اس سے شدید تر عذر ہے لیکن یہ اجازت بھی روح
پڑنے سے پہلے کے لیے ہے نا کہ اس کے بعد۔ (طبی اخلاقیات، ص: ۱۸، ناشر: اسلامک فقہ اکیڈمی)

۳۔ **مصنوعی بارآوری اور ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت** طب جدید نے ایک خطرناک ایجاد مصنوعی
بارآوری یا ٹیوب بے بی کے نام سے کی ہے جو شرعی اعتبار سے انتہائی حساس نوعیت کا معاملہ اور
مختلف گوشوں کو حاوی ہے، جس سے خاندانی، سماجی و اخلاقی طور پر سنگین حالات مترتب ہوتے
ہیں، اس کے مختلف طریقے آج مختلف مغربی ممالک میں رایج ہیں اور ان سے شرعی نقطہ نظر سے
بہت سے مسایل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن میں نسب و حرمت، مصاہرت، فراش زوجیت، غیر مرد
کے ساتھ حاملہ عورت کا تعلق، عورت اور استبرائے رحم کے احکام شامل ہیں، ان کے علاوہ عورت
کے اندر داخلی بارآوری یا نلکی کے اندر خارجی بارآوری کے بعد رحم میں انجکٹ کرنے کی ناجایز
صورتوں کے ارتکاب پر وجوبِ حد کی سزا وغیرہ کے سارے ابواب ایک ساتھ کھل جاتے ہیں،
رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی نے اس پر دو سمینار کرائے، ایک ۱۱ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ اور
دوسرا آٹھواں سمینار ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ میں منعقد کیا، ان میں اصل مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے
کہا گیا کہ اولاد حاصل کرنے کے لیے بارآوری (یعنی مرد اور عورت کے درمیان براہ راست جنسی
تعلق کے بغیر غیر فطری طریقے) کے درج ذیل دو بنیادی طریقے ہیں:

۱- **اندرونی بارآوری کا طریقہ:** یعنی مرد کے نطفہ کو عورت کے اندر مناسب مقام پر انجکٹ
کردیا جائے۔

۲- **بیرونی بارآوری کا طریقہ:** یعنی مرد کے نطفہ اور عورت کے انڈے کو ایک ٹسٹ ٹیوب میں
رکھ کر طبی لیبارٹری میں بارآوری کی جائے پھر اس بارآور انڈے کو عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے۔

ان دونوں ہی طریقوں میں عورت کی بے پردگی اس کام کو انجام دینے والے کے سامنے
لازمی ہے، اس پر مزید بحث و مباحثہ سے یہ بات سامنے آئی کہ حمل و تولید کی غرض سے اندرونی یا
بیرونی بارآوری کے لیے اپنائے جانے والے طریقے مختلف حالات میں سات ہیں، ان میں دو کا تعلق
اندرونی بارآوری سے ہے اور پانچ کا بیرونی بارآوری سے ہے، داخلی بارآوری کے طریقے یہ ہیں:

دکا نطفہ لے کر اس کی زوجہ کی رحم میں مناسب مقام پر انجکٹ کر دیا جائے
ں انڈے کے ساتھ مل جائے جو بیوی کی انڈا دانی خارج کرتی ہے،
ہو پھر باذن اللہ رحم کی دیوار میں وہ چمٹ جائیں، جس طرح مباشرت
طریقے کو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب مرد کے اندر کوئی ایسی کمی
شرت عورت کے مناسب مقام تک نہ پہنچا سکے۔

لے کر دوسرے شخص کی بیوی کے اندر مناسب مقام پر انجکٹ کر دیا
رآوری ہو پھر رحم میں علوق ہو جائے، اس طریقہ کو اس وقت اپنایا
ور اس کے مادۂ منویہ میں انڈے نہ ہوں تو دوسرے مرد سے نطفہ

لیے یہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

س کی زوجہ کا انڈا لے کر مقررہ فزیکلی شرایط کے مطابق ایک طبی
جہاں ان دونوں میں بارآوری ہو پھر جب بارآور حصہ بکھرنے اور
ت میں اُسے ٹسٹ ٹیوب سے نکال کر اس خاتون کے رحم میں ڈال
ن کی طرح افزایش وتخلیق کے مراحل سے گزرے اور مدت حمل کی
ایش ہو، یہی بے بی ٹسٹ ٹیوب جدید طبی وسائنسی کارنامہ ہے جسے
طریقے سے بچے اور بچیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کی خبریں اخباروں
اس وقت اپنایا جاتا ہے جب بیوی بانجھ ہو اور اس کی وہ ٹیوب بند
درمیان جڑی ہوتی ہے۔ (فلوپین ٹیوب)

ں غیر عورت کی رضامندی سے اس کے انڈے کو لے کر ٹسٹ ٹیوب کے
کر بارآور ہونے کے بعد اسے اس کی بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے،
جب اس کی بیوی کی انڈا دانی موجود نہ ہو لیکن رحم درست ہو۔

ایک غیر عورت کا انڈا (رضاکارانہ) لے کر ٹسٹ ٹیوب میں بیرونی
راس حصہ کو کسی دوسری شادی شدہ عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے،

یہ طریقہ اس وقت اپنایا جاتا ہے جب شادی شدہ عورت جس کے اندر بارآور حصہ ڈالا گیا ہے لیکن اس کی انڈا دانی بانجھ ہو اور بچہ دانی درست ہو اور اس عورت کا شوہر بھی بانجھ ہو لیکن دونوں اولاد کی خواہش رکھتے ہوں۔

۴۔ ٹسٹ ٹیوب کے اندر بیرونی بارآوری زوجین کے انڈوں سے کی جائے پھر اسے حمل کے لیے رضامند عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے، اس طریقے کو ایسے موقع پر اپنایا جاتا ہے جب زوجہ کا رحم کسی وجہ سے حمل کے قابل نہ ہو لیکن اس کی انڈا دانی درست ہو یا وہ از راہ فیشن حمل کے لیے تیار نہ ہوں اور دوسری رضامند عورت حمل کا بار اٹھائے۔

۵۔ یہ طریقہ بھی سابقہ طریقہ کی طرح ہے لیکن اس میں اتنا فرق ہے کہ بارآوری کے بعد اسے نطفہ والے مرد کی دوسری زوجہ کے اندر داخل کر دیا جائے جو اپنی سوکن کے بچے کے لیے رضامندی سے حمل کے لیے تیار ہو، یہ آخری طریقہ ان بیرونی ممالک میں جاری نہیں ہے جہاں تعدد ازدواج ممنوع ہے، بلکہ یہ صرف انہیں ممالک میں جاری ہے جہاں تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔

یہ طریقے یورپ وامریکہ میں یا تو تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں یا انہیں ''نوع بشری کی خوبصورتی'' کا نام دیا گیا ہے اور کچھ ممتا کے تقاضے سے اپنائے جاتے ہیں کیوں کہ غیر شادی شدہ خواتین یا ان شادی شدہ خواتین میں بھی اس کا داعیہ ہوتا ہے جو خود اپنے یا شوہر کے کسی سبب کی وجہ سے حاملہ نہیں ہو پاتی ہیں، ان اغراض کے لیے انسانی نطفوں کے بنک بھی قایم ہو چکے ہیں، جہاں ان کو ٹیکنیکل طریقے پر طویل مدت تک محفوظ رکھا جاتا ہے جو رضاکارانہ یا بالعوض حاصل کیے جاتے ہیں، رابطہ کی فقہ اکیڈمی نے مذکورہ صورتوں کی روشنی میں شرعی اعتبار سے اس کے یہ عمومی احکام بتائے ہیں:

(الف) مسلمان خاتون کی بے پردگی غیر محرم کے سامنے شرعاً کسی حال میں بھی درست نہیں، الا یہ کہ کوئی ایسی صورت ہو جسے شریعت نے بے پردگی کے لیے وجہ جواز تسلیم کیا ہو۔

(ب) گو خواتین کے لیے مرض کے علاج کے سلسلے میں کشف عورت جایز ہے مگر بہ قدر ضرورت ہی کشف ستر گنجایش ہے۔

یہ تو عام حکم تھا مگر مصنوعی بارآوری کے مذکورہ تینوں جایز طریقوں میں اکیڈمی نے طے

انڈا دینے والے زوجین سے ثابت ہوگا، میراث اور دیگر حقوق
لہذا بچہ کا نسب جس مرد وعورت سے ثابت ہوگا، وراثت اور دیگر
بت ہوں گے۔

ل کے لیے رضا کارانہ تیار ہونے والی زوجہ (جو ساتویں طریقہ میں
گی، کیوں کہ بچہ نے اس کے جسم وعضو سے استفادہ اس سے کہیں
مدت رضاعت کے اندر دودھ پلانے والی عورت سے کرتا ہے۔

اخلی بارآوری کے طریقوں میں سے بقیہ چاروں طریقے شرعاً حرام
نہیں ہے، کیوں کہ ان میں یا تو نطفہ اور انڈا زوجین کے نہیں ہیں یا
والے زوجین کے لیے اجنبی ہے، اس لیے اکیڈمی دینی جذبہ رکھنے
طریقہ کو اختیار نہ کریں، الّا یہ کہ انتہائی سخت ضرورت ہو اور ضرورت
تیاط مدنظر رکھی جائے۔

شیخ عبد العزیز بن بازؒ نے مذکورہ تینوں حالتوں میں توقف اختیار
سے خالی نہیں، شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل امام حرم مکی نے دوسری اور

جدید طبی ایجادات میں انسانی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہے جس کے
پوسٹ مارٹم میں اعضاء کاٹے اور توڑے جاتے ہیں جن سے اس کی
آنحضورؐ کا ارشاد ہے ''کسر عظم المیت ککسرہ حیا''
) ''مومن مُردوں کی ہڈی توڑنا اتنا ہی بڑا جرم ہے جیسا کہ زندہ کی
کہ مومن کا احترام مرنے کے بعد بھی اسی طرح لازم ہے جس
ٹ مارٹم سے انسانی لاش کی بے حرمتی ہوتی ہے تاہم یہ ایک اہم
رابطہ کی فقہ اکیڈمی نے اپنے دسویں سمینار منعقدہ ۲۴ تا ۲۷ صفر
ء میں درج ذیل امور طے کیے ہیں:
اصد کے تحت لاشوں کا پوسٹ مارٹم جائز ہے۔

(الف) تعزیراتی مقدمے میں موت یا جرم کے اسباب کی دریافت قاضی کے لیے دشوار ہو اور پوسٹ مارٹم کے بغیر اس کی دریافت ممکن نہ ہو۔

(ب) پوسٹ مارٹم کے متقاضی امراض کی دریافت مطلوب ہو، تاکہ اس کی روشنی میں ان امراض سے متاثر لوگوں کا مناسب اور ضروری علاج کیا جاسکے۔

(ج) پوسٹ مارٹم کے ذریعہ طب کی تعلیم وتدریس مقصود ہو جیسا کہ میڈیکل کالجز میں رائج ہے۔

دوم: بہ غرض تعلیم پوسٹ مارٹم میں درج ذیل شرایط کی رعایت ضروری ہے:

(الف) لاش اگر کسی معلوم شخص کی ہو تو موت سے قبل خود اس کی یا موت کے بعد اس کے وارثین کی اجازت ضروری ہے، معصوم الدم لاش کا پوسٹ مارٹم بغیر اجازت نہیں کرنا چاہیے۔

(ب) پوسٹ مارٹم بہ قدر ضرورت ہی کیا جائے تاکہ لاشوں کی زیادہ بے حرمتی سے بچا جاسکے۔

(ج) خواتین کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم خواتین ڈاکٹروں کے ذریعہ ہی کرنا ضروری ہے۔

سوم: تمام حالتوں میں پوسٹ مارٹم شدہ لاش کی تدفین شرعاً واجب ہے۔

شیخ صالح بن فوزان کو طبی تعلیم کی غرض سے بھی مسلم لاش کے پوسٹ مارٹم کے جواز سے اتفاق نہیں اور شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل حفظہ اللہ نے اس بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔

بعض دیگر ارکان بھی تعلیم وامراض کی تحقیق کے لیے مسلم لاش کے پوسٹ مارٹم کے جواز کے حق میں نہیں ہیں۔ (دیکھیے: فقہی فیصلے، اردو فقہ اکیڈمی مکہ، ص:۱۸۴)

۵۔ تعدیہ (انفکشن) اور اسلام جدید طب میں انفکشن (Infection) کا شمار دور حاضر کی سنگین بیماریوں میں ہوتا ہے، جس سے بچاؤ کے لیے قومی سرمایہ کا اچھا خاصا پیسا خرچ ہوتا ہے، اس کے باوجود حفظان صحت کے تعلق سے انفکشن کا مسئلہ دنیا کے لیے ایک ناقابل تسخیر چیلنج بنا ہوا ہے اور تمام بنی نوع کے لیے مہلک صورت حال پیدا کر رہا ہے، انفکشن کی تعریف طب جدید میں یہ کی گئی ہے کہ کسی مرض کے مادے (جراثیم) کا کسی ذی حیات کے جسم میں داخل ہو کر ترقی وافزائش نسل کرنا نیز جسم میں اس کے خلاف مدافعانہ ردعمل کا پیدا ہونا۔ (Text book of Preventive & social medicine By: J.E. Park, P.18)

ی مرض کو کہا جاتا ہے جو کہ ہوا، پانی ،غذا اور دیگر ذرایع سے ایک شخص
ہے اور اس طرح سے اس کا سلسلہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات وہ

ب سے پہلے (Fracastoiurs) نے (Theory of Contagion)
عد میں نظریہ تعدیہ کی بنیاد بنا مگر سچی بات یہ ہے کہ Germ Theory
وں سال قبل پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے تعدیہ کا تصور نہ صرف پیش کیا
ت اور حفاظتی تدابیر دنیا کے سامنے پیش کیں جن کو (Priventive &
اتی تدابیر کی اساس قرار دیا جا سکتا ہے۔

وں میں مغرب نے حیرت انگیز علمی ترقی کی ہے مگر اہل نظر سے یہ بات
وں ہی کی علمی کاوشوں سے خوشہ چینی کی ہے، طب کے متعلق قرآن و
جود ہیں، تعدیہ کا نظریہ نبیؐ کی اس حدیث میں ملتا ہے ''لا یـــوردنّ
اری کتاب الطب) (جس کے اونٹ بیمار ہوں وہ ان کو پانی پلانے کے
جائیں جہاں کسی کے تندرست اونٹ پانی پیتے ہوں) جب جانوروں
مد نظر رکھا گیا ہے تو انسانوں کے معاملے میں اس کو کیسے نظر انداز کیا

ں، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء)

ب خطرناک متعدی مرض ہے، طب جدید میں اس کے لیے (Leprosy)
ہے، اس کے لیے ایک مخصوص جرثومہ کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے جس کی
(Ha) نامی سائنس داں نے کی، اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ
نے فرمایا'' فرّ من المجذ وم کما تفرّ من الأسد '' (بخاری، کتاب
سے ایسے بھاگو جیسے کہ شیر سے بھاگتے ہو)، ان احادیث سے بالکل
صور آج سے چودہ سو برس قبل اسلام میں نہ صرف موجود تھا بلکہ اس
ی طرح احساس تھا۔ (حوالہ مذکور)

رعی حیثیت | کلوننگ ایک جدید طبی و سائنسی تحقیق ہے جس کا وجود

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہوا ہے اور یہ مسئلہ ۱۹۹۷ء میں اس وقت عالمی طور پر ابھرا، جب اسکاٹ لینڈ کے کچھ سائنس دانوں نے ایک ''بھیڑ ڈولی'' کے نام سے کلوننگ کے ذریعہ پیدا کی، جس پر پوری دنیا حیرت زدہ رہ گئی کلوننگ انگریزی لفظ ہے، اس کی اصل یونانی لفظ کلون (Klon) ہے جس کے لفظی معنی شاخ یا نوزائیدہ یا قلم کاپی کرنے کے ہیں، عربی میں اسے ''استنساخ'' کہتے ہیں، جس طرح درختوں یا نباتات میں ایک درخت کی شاخ کاٹ کر دوسرے درخت کی شاخ میں جوڑا جاتا ہے اور اس سے ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے اسے کلوننگ کہتے ہیں جس کی تکنیک بہت پرانی ہے یعنی دو پودوں کو ملا کر تیسرا پودا حاصل کیا جائے، بیسویں صدی کے نصف آخر سے اس عمل کا تجربہ جانوروں میں کیا گیا، ۱۹۵۱ء میں دو امریکی سائنس داں رابرٹ برگس اور تھامس کنگ نے ایک مینڈک تیار کیا، ۱۹۹۳ء میں انسانی کلوننگ کی بھی کوشش کی گئی پھر مارچ ۱۹۹۷ء میں امریکہ کی ایک یونی ورسٹی اوری گون میں دو بندر کلوننگ کے ذریعہ پیدا کیے گئے، اس کے لیے مختلف طریقے اپنائے گئے، جیسے:

۱۔ سب سے پہلے مونث کا انڈا ضروری ہے، اس لیے کہ صرف جنسی خلیہ میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے خلیہ کے ساتھ آکر مل جائے اور تقسیم کا عمل شروع کردے، جسم کے دوسرے حصہ میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی۔

۲۔ ۴۶ کروموزوم کی موجودگی لازمی ہے خواہ مذکر و مونث کے جنسی خلیوں سے ۲۳+۲۳ ملا کر ۴۶ ہوں۔

۳۔ بارآوری کے بعد رحم میں ڈالنا ضروری ہے جہاں طبعی طریقے پر مدت پوری ہونے کے بعد ولادت ہوتی ہے، حالاں کہ اللہ رب العالمین کا اعلان ہے ''اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ'' (سورۂ زمر: ۶۲) ''اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ '' (الاعراف: ۵۴) '' لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَہٗ '' (حج: ۷۳)۔

اس لیے کلوننگ کے اس عمل کو نہ تو خلق کہا جا سکتا ہے نہ ہی خلق میں شرکت۔ اسلام کا عقیدہ اپنی جگہ قایم ہے البتہ اس کے منفی اثرات زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں جس پر عمل درآمد کے بعد انسانی دنیا میں بہت نازک مسایل اقدار کے بارے میں پیدا ہوں گے، ذرایع ابلاغ میں

خبریں آئے دن شایع ہوتی رہتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان
جب کہ ایک مسلمان کا واضح عقیدہ ہے کہ تخلیق پر قادر صرف اللہ ہی ہے
ں کیا ہے کہ ''أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ'' (کیا تم
یدا کرنے والے ہیں) صفت خلق میں شرکت سے شرک کا گمان پیدا
واضح کر دینا ضروری ہے کہ سائنس صرف موجد ہے خالق نہیں ہے،
ردہ اٹھاتی ہے، اسی طرح اللہ کا یہ اعلان کہ ''عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَا لَمْ

نے یہ بھی اعلان کیا کہ ''وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا'' (یعنی
لم ہے) اس موقع پر اس بات کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ علامہ
''مقدمہ ابن خلدون'' میں جہاں علم کیمیا پر بحث کی ہے وہاں انہوں نے
ایش کا جو فطری طریقہ ہے کیا رحم مادر سے باہر بھی کسی حیوان کا وجود
مہ ابن خلدون نے کی ہے جو قدیم علما میں ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مرد کے
یں موجود بیضاء کا باہم امتزاج اور پھر ان کو ایک مخصوص ماحول جو رحم
یا جائے یعنی اگر وہی درجۂ حرارت اور وہی پورا معتدل ماحول جو رحم کا
جا سکے تو غیر عادی طریقہ سے ماں کے رحم کے باہر بھی تخلیق وجود میں
ں اس وقت بہت کم تھی، نظریاتی تحقیق زیادہ تھی، آگے لکھتے ہیں کہ ایسا
لیکن بنیادی طور پر اس امکان کو انہوں نے خارج نہیں کیا ہے جس کے
اور ترقی کر کے دنیا آج کلوننگ تک پہنچ گئی ہے، فطرتِ الٰہی یہ ہے کہ
تا ہے سائنس اسی رشتے کی تحقیق ہے مگر نتیجہ معلوم ہے۔ (جدید سائنسی

لے خطرات | یوں تو ہر دن کا سورج اپنے ساتھ کچھ نئی چیزیں لے کر
میں اسی کلوننگ کے ذریعہ پیدا ہونے والی ''ڈولی بھیڑ'' نے عالم وجود
کاٹ لینڈ کے ایک ڈاکٹر ایان ویلمٹ نے ایک چھ سالہ مادہ بھیڑ کے

تھن سے نکالے گئے ایک خلیہ (cell) کو دوسری مادہ بھیڑ کے جنسی انڈے میں بارآور کرنے اور
پھر اسے تیسری بھیڑ کے رحم میں ڈالنے کے بعد جب ڈولی نامی بھیڑ پیدا ہوئی تو اسکاٹ لینڈ انسٹی
ٹیوٹ میں کام کرنے والے ڈاکٹر ویلمٹ اور ان کی ٹیم نے دعویٰ کیا کہ اسی عمل اور تکنیک کو اپنا کر
انسان بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے نئے پیدا ہونے والے انسان کا حسب نسب کیا
ہوگا، وہ کس کا بیٹا ہوگا اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے بہت سے شرعی و سماجی مسایل اٹھ کھڑے
ہوں گے، (جدید سائنس تکنیک کلوننگ، ص: ۹ تا ۱۴) بنابریں نہ صرف مذہبی رہنما بلکہ سائنس داں بھی
تکنیکی پہلوؤں کے سبب اور اخلاقی بنیادوں سے بہت زیادہ فکر مند ہیں کیوں کہ یہ سائنسی ایجاد کسی
مذہب کے لیے نہیں بلکہ سماجی طور پر دنیا کے لیے ایک خطرہ بن جائے گی، اسی لیے علما اس کو نہ
صرف حرام قرار دیتے ہیں بلکہ ممکن بھی نہیں مانتے ہیں اور اگر کوئی ممکن مان بھی لے تو وہ ایسا انسان
نہیں ہوگا جو عام انسانوں جیسا اور ان کی شکل و ہیئت کا ہو در اصل کلوننگ فطری نظام سے متصادم
ہے اور انسانی کلوننگ کے نتیجے میں انسانی معاشرہ پر جو خطرناک اثرات مرتب ہوں گے، اس کا
اندازہ کر لینے کے سبب اکثر ترقی یافتہ ممالک نے اپنے یہاں انسانی کلوننگ پر قبل از وقت پابندی
عاید کر دی تھی، اس لیے کلوننگ میں فواید سے کہیں زیادہ نقصانات مضمر ہیں، یہاں کلوننگ کے موجد
ڈاکٹر ویلمٹ کی بات نقل کر دینا مناسب ہے، موصوف نے ۱۲/ مارچ ۱۹۹۲ء کو واشنگٹن میں ایک
پریس کانفرنس میں اقرار کیا کہ انسانی کلوننگ تیار کرنے میں ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ مفلوج لوگوں کی
نسل بھی تیار ہو جائے گی اور یہ بلاشبہ پوری انسانیت کے لیے گناہ ہوگا، دہلی میں واقع Internation
center for genetic engineering (I.C.G.E) کے ڈاکٹر تلوار کے مطابق کلوننگ میں کامیابی
کا فیصد بہت کم ہے، اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر ویلمٹ اور ان کی ٹیم نے 277 خلیوں پر اپنے تجربات
کیے تھے جس میں سے صرف ایک ہی کامیاب ہوا اور وہ ڈولی نام کی بھیڑ تھی جو عام قسم کے بھیڑ
سے مختلف تھی اور جس پر 75 ہزار امریکی ڈالر صرف ہوا تھا اور فائنس دوا کی برطانوی کمپنی PPL نے کیا
تھا، وہ تقریباً مردہ سی تھی بے حد کمزور اور بیمار اور کچھ ہی دنوں میں گٹھیا کے مرض میں دم توڑ دیا (روزنامہ
راشٹریہ سہارا اردو، دہلی، امنگ ۱۹/ جنوری ۲۰۰۳ء) اور جب بھیڑ کی کلو[illegible] کامیاب نہ ہو سکی تو انسان کا

نگ پر عقیدہ رکھنے والے لوگ یہ کیسے بھول جاتے ہیں کہ قدرت نے انسان
یدا کیا، جس کو دنیا ہزاروں سال سے جانتی ہے اگر واقعی سائنس داں اور اطبا
تے ہیں تو بھیڑ سے انسان پیدا کر دیں یا لوہے سے کوٹ کر انسان بنائیں جو
رے لیکن ایسا اب تک عمل میں نہیں آیا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔
نے یہ خبر دی کہ حوا نامی بچی کلوننگ کے ذریعہ پیدا ہوئی لیکن وہ بھی زیادہ
ائنس میں اس کی پیدائش کے موضوع کو لے کر سرد بحث جاری ہے کچھ کا
ں ہے تو آنے والے دنوں میں اس کے برے نتائج برآمد ہوں گے، ان
ت سے پہلے سن شباب کو پہنچ جائے گی کیوں کہ پیدا ہوتے وقت اس کی
ہے کہ "ڈولی" کی طرح حوا پر بھی وقت بے رحمی سے اثر دکھائے گا، اگر
ں کی زندگی کم ہوگی بلکہ وہ وقت سے پہلے بوڑھی ہو جائے گی۔ (ماہنامہ
(۲۰

کائنات سے مختلف رنگ و روپ کو مٹا دینا چاہتی ہے، رب کائنات نے
روپ میں پیدا کیا ہے لیکن سائنس داں انہیں ایک ہی انداز و ہیئت میں
جس کے سبب انسانی زندگی اور اجتماعی و انفرادی معاملات میں مفاسد کا
ر ایک عورت کے شوہر کا دوسرا کوئی ہم شکل مرد ایک ہی جگہ موجود ہو تو وہ
، غرض کلوننگ سے پیدا ہونے والی دشواریاں اور پیچیدگیاں بہت زیادہ
نے کی گنجایش نہیں، یہاں چند مفاسد اور خطرات کا ذکر اجمالاً کیا جاتا ہے:
یشتر پیدائش میں نقص ہوگا، بسا اوقات سارے ناقص الخلقت ہوں گے۔
ندان کا نظام تہ و بالا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا جس سے قرابت، میراث
ں گی۔
لا بچہ والدین اور ان کی شفقت سے محروم رہے گا اور مستقل نفسیاتی مشکلات

سے بچہ کی نقل تیار ہوگی، اس کا وہ لڑکا ہوگا یا بھائی یا جس کے بطن سے

جنم لے گا وہ عورت اس کی کیا ہوگی؟

۵- بڑے بڑے جرائم پیشہ افراد جنم لے کر دنیا میں تہلکہ مچادیں گے۔

۶- دوسرے ظالم و مجرم کی موت سے انسانیت کو نجات نہیں ملے گی۔

۷- پیدا ہونے والے کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟

کلوننگ اور شرعی نقطۂ نظر اسلام ہر چیز میں اپنا ایک واضح نقطۂ نظر رکھتا ہے، چنانچہ جو چیز حرام ہے اس سے وہ مکمل طور سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، اگر حلت و حرمت واضح نہ ہو تو اس سے بھی احتیاط ضروری ہے، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی متفق علیہ روایت ہے" الحلال بین والحرام بین و بینهما المشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه" (متفق علیہ) اس لیے علمائے اسلام اس باب میں نہایت متردد ہیں، اس موضوع پر طبی تنظیم کویت اور فقہ اکیڈمی جدہ نے مراکش میں مشترکہ سمینار کیا، جس میں یہ فیصلہ کیا کہ مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کے اندر کسی بھی تیسرے فریق کی شمولیت بہرصورت حرام ہے، خواہ مادۂ منویہ کی شکل میں ہو، خواہ انڈا یا رحم کی شکل میں ہو۔

کلوننگ کا مسئلہ شریعت کی نگاہ میں متعدد وجوہ سے قابل اعتراض ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دین و اخلاق سے بے پروا ہو کر محض سائنس و تحقیق کی بنا پر جو نتائج ظہور پذیر ہوں گے، وہ دین کی بنیادوں پر فٹ نہیں ہو سکیں گے، جس طرح ایٹمی ایجاد سے دنیائے انسانیت تباہ و برباد ہے اسی طرح سائنسی تحقیق سے ازدواجی تعلقات کا احترام ختم ہو کر ناجایز جنسی تعلق کا دروازہ کھل جائے گا جو اسلام کی نظر میں صریحاً حرام ہے، کلوننگ میں جہاں یہ اصول ٹوٹ کر رہ جاتا ہے وہیں خاندانی رشتہ و قرابت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے، ان ہی امور کے پیش نظر علمائے دین نے کلوننگ کی مکمل نفی و تردید کی ہے، معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے تین بنیادوں پر کلوننگ کو حرام قرار دیا ہے:

۱- پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں میں امتیاز و فرق رکھا ہے" وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ" (فاطر: ۲۷) یہ امتیاز کلوننگ میں ختم ہو جاتا ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے" وَ

النبا: ۸)

ر کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرہ میں اس خاندان کو معیار و بنیاد بنایا
ں پاتا ہے اور یہ خاندانی نظام کلوننگ میں فنا ہو جاتا ہے۔

تھی و شرعی نقطۂ نظر سے قطع نظر اس کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے کہ
ب طبقہ کا کہنا ہے کہ اسلام میں ایسی کسی تحقیق کی ہمت افزائی سرے
ٹھ، مسجد ہو یا مندر، چرچ ہو یا کلیسا یا سیاسی منتظمین، یہ سب وقتی و
سان نے چاند پر قدم رکھا تو یہ چیخے، ضبطِ تولید اور اعضاء کی پیوند کاری
ں ہرئی چیز پر ہنگامہ برپا کرنا ان کا شیوہ ہے، ٹیوب بے بی کو بھی
ادات پر یہ زیادہ برہم نہیں ہوئے مثلاً جہاز کا ہواؤں میں اڑنا اور
ن، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ، گو فطرت کے مظاہر نہیں لیکن دینی طبقہ
ے صف آرا نہیں ہوا جتنا کلوننگ کے خلاف ہے۔

ل کے مخالفین کی یہ دلیلیں بجا ہیں:

انسان کی عزت و شرف کو بٹہ لگتا ہے اور اس کی توہین ہوتی ہے۔
ں پیدا کرنا فطری اصول و افزایش کے خلاف اور کھلم کھلا اللہ سے

ج میں احساس کمتری کے شکار رہیں گے، ان کے حقیقی ماں باپ

ت عناصر اپنے غلط مقاصد کے استعمال کا ذریعہ بنائیں گے۔
عدم مساوات کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا۔

امی مکہ کی فقہ اکیڈمی نے کلوننگ کو سرے سے حرام قرار دیا ہے اور
ے۔ (فقہی فیصلے: رابطہ عالم اسلامی، مکہ)

عی حکم | ضبط ولادت یا انگریزی میں (faimly planning) یا
ی اور زور شور سے اہل مغرب یہ کہہ کر اشاعت کرتے ہیں کہ اس

سے انسان پر بچوں کی پیدایش کا بوجھ کم پڑے گا، شرح پیدایش کم کرنے یا بچے کے عالم وجود میں آنے سے پہلے اس کو روک دینے کے لیے مختلف دوائیں، انجکشن یا نرودھ، کنڈوم یا آپریشن اور مختلف خارجی تدبیریں ایجاد کر لی گئی ہیں اور ان کی پوری تشہیر کی جارہی ہے۔

دور نبویؐ میں یعنی صدر اسلام میں منع حمل کا سب سے معروف طریقہ ''عزل'' کا تھا، صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے ''کنا نعزل والقرآن ینزل'' (ہم عزل کرتے تھے جب کہ قرآن کا نزول جاری تھا) اس کے علاوہ اور بھی بعض روایتوں سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے (بخاری کتاب النکاح، باب العزل) اس کے مقابلے میں دوسری احادیث سے اس فعل کی حرمت و ممانعت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ عزل کے متعلق آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا ''یہ چھوٹے پیمانے پر زندہ درگور کرنے کے برابر ہے'' علامہ ابن تیمیہؒ سے بھی منع حمل کے متعلق فتویٰ دریافت کیا گیا تو فرمایا ''اما جواز ذلک ففیہ نزاع بین العلماء والا حوط انہ لا یفعل واللہ اعلم'' (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۷۱/۳۲) عزل کے جواز میں علما کے مابین اختلاف ہے محتاط طریقہ یہ ہے کہ نہ کیا جائے۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں اس کی تحریک زور پکڑ چکی تھی، سب سے پہلے یہ نعرہ (T.R.Malthus) ٹی-آر-میتھو نے لگایا کہ روئے زمین پر سکونت و معاش کے وسایل بہت محدود ہیں، جب کہ نسل انسانی کی افزایش لامحدود ہے، اگر اضافے کا یہ تسلسل جاری رہا تو چند برسوں میں زمین تنگ ہو جائے گی اور فقر و محتاجی بڑھ جائے گی، اس لیے نسبندی ضروری ہے، پھر انیسویں صدی کے اخیر میں یہ تحریک جرمنی و فرانس پہنچی اور وہاں سے لندن ہوتے ہندوستان پہنچی، اس کے بعد دن بہ دن اس کا زور بڑھتا گیا، عموماً کسی تحریک کی کامیابی کے لیے کچھ جھوٹے اور دل فریب نعرے گڑھے جاتے ہیں، اس کے لیے بھی اقتصادی بہتری اور معیار زندگی کو بلند کرنے کا نعرہ ایجاد ہوا، جب کہ ضبط تولید کا عمل طبی نقطہ نظر سے بہت سے جسمانی عوارض اور سماجی نقصانات کا باعث بنتا ہے، مردوں میں آتشک و سوزاک جیسے امراض خبیثہ کے ساتھ نامردی بھی آجاتی ہے اور عورتوں میں بہ قول ڈاکٹر میری اسکارلب (چالیس سالہ تجربہ) عصبی کمزوری، پژمردگی، شگفتگی کا فقدان، چڑچڑاپن، اشتعال انگیزی، بے خوابی، دوران خون کی کمی، ایام ماہ واری کی بے قاعدگی جیسے امراض خبیثہ جنم

تعال کیے جاتے ہیں، اس کے علاوہ اولاد جیسی نعمت سے انسان
و آپس میں مل کر رہنے پر مجبور کرتے ہیں اور جب اولاد نہ ہو تو مل
ے ازدواجی تعلقات سرد اور زنا کے دروازے کھل جاتے ہیں،
زوال کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے برعکس اسلام نے افزائش نسل
ہے ''فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ
ب میں رسولؐ نے فرمایا'' تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر
ماجہ) (تم زیادہ محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے
دوسری قوموں پر فخر کروں گا) ظاہر ہے برتھ کنٹرول یا ضبط ولادت
ں تک خرچ و کفالت کے بوجھ کم کرنے کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے
رمایا ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا
ھا '' (ہود:٦) روزی دینے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اور فرمایا ''لا
ق نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ'' (بنی اسرائیل:۳۱) (مفلسی کے
رتم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں)۔

م ربوبیت کے تحت پرورش اور رزق کو اپنی ذمہ داری قرار دیا
نہیں دیا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ ضبط ولادت بغیر کسی عذر کے
بارت نہ صرف نقصان دہ ہے بلکہ فعلِ حرام ہے، جس کی تردید
خود اہل مغرب کو جب لمبے تجربے کے بعد اس عظیم نقصان کا
برتھ ریٹ مقرر کیا اور رپورٹ میں کہا کہ برطانیہ کو اپنی شرح
س کو روکنے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے، اسی طرح فرانس
ردیا اور بچہ پیدا کرنے والے خاندانوں کو مالی امداد دی جانے
ماری شرح پیدائش کی کمی سے خطرہ ہے کہ ایک وقت آئے گا
(اسلام اور ضبط ولادت، ص:۲۴)

رناک کمی سے لے پالک اور دوسرے لوگوں کے کم سن بچوں کو

قبل از ولادت خریدنے پر مجبور ہو گئے حتی کہ یورپ و اٹلی میں بچوں کا مستقل کاروبار شروع ہو گیا، (سہ روزہ دعوت، دہلی، یکم دسمبر ۱۹۸۸ء) اس کے علاوہ برتھ کنٹرول کے پیچھے مغربی ملکوں کا یہ جذبہ و مقصد بھی کارفرما تھا کہ اپنی تعداد بڑھا کر اور مسلم ملکوں کی تعداد کم کرکے ان کو اپنا غلام بنائیں۔

رابطہ کی فقہ اکیڈمی کا فیصلہ رابطہ عالم اسلامی، مکہ کی فقہ اکیڈمی نے ضبط ولادت پر اپنا یہ فیصلہ صادر کیا، اسلامی شریعت نسل انسانی کے اضافے کی ترغیب دیتی ہے، اس کی بابت قرآن مجید و حدیث رسولؐ میں متعدد ہدایات دی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبط تولید یا منع حمل اللہ کی بنائی ہوئی فطرت انسانی کے خلاف اور شریعت اسلامی سے غیر ہم آہنگ ہے، برتھ کنٹرول یا منع حمل کے علم برداروں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان خاص کر عرب اقوام اور کمزور قبایل کی تعداد میں کمی کرائیں تاکہ ان کے ممالک کو اپنی کالونی اور وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنا کر اسلامی ممالک کی نعمتوں اور قدرتی ذخایر سے فایدہ اٹھائیں، دوسری جانب یہ عمل اللہ تعالیٰ سے ایک طرح کی بدگمانی اور جاہلانہ فعل ہے، ان امور کے پیش نظر رابطہ نے اپنے مذکورہ فقہی اجلاس میں بالاتفاق طے کیا کہ برتھ کنٹرول یا ضبط تولید مطلق جایز نہیں اور فقر کے خوف سے بھی منع حمل جایز نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق اور زبردست قوت کا مالک ہے، البتہ انفرادی طور پر اگر ضرر کا خطرہ ہو تو اس صورت میں جواز کی گنجایش ہو سکتی ہے، مثلاً کسی عورت کو متعاد طریقہ پر ولادت (Normal Delivery) نہیں ہو رہی ہے اور آپریشن ناگزیر ہو تو استقرار حمل کو روکنے یا اسے موخر کرنے والے اسباب اختیار کرنا جایز ہے، اسی طرح اگر قابل اعتماد مسلم ڈاکٹر کی رائے میں استقرار حمل کی صورت میں جان کو یقینی خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں منع حمل کی صورت اختیار کرنا ہی متعین ہو جاتا ہے۔ (ذمہ داران و ارکان کے دستخط، فقہی فیصلے:۲۳ تا ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ، ص:۵۹، ناشر فقہ اکیڈمی ۲۰۰۱ء)

۸-اعضا کی پیوند کاری کسی ایک انسان کے بعض اعضا کو دوسرے ضرورت مند انسان کے اندر پیوند کر دینا بھی جدید طبی ایجاد اور اس کا بڑا کارنامہ ہے لیکن اس میں علما کا شدید اختلاف ہے کیونکہ کسی انسان کا عضو اس کے جسم سے علاحدہ کرنے کو مثلہ کہا جاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے، یہی علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸/۳۱۴)

رہا یہ مسئلہ کہ انسانی لاش سے انتفاع پیوند کاری کے لیے جایز ہے کہ نہیں تو اس کی جزئیات و

ہم یہ بات مسلم ہے کہ انسان کا پورا جسم اللہ کی ایک امانت ہے جس کے
ب دو ہے، اللہ کا ارشاد ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
سْئُوْلًا" (بنی اسرائیل:۳۶) بیشک کان اور آنکھ اور دل میں سے ہر ایک
جانے والی ہے۔

س انسان اسی حد تک تصرف کرسکتا ہے جس حد تک شریعت نے اسے
ن کی لاش سے انتفاع کا مسئلہ تو کتاب و سنت میں اس کے جواز کی کوئی
لاش کو احترام سے دفنانے کی ترغیب اسلام نے شروع ہی سے دی ہے،
بعد قابیل کو دفنانے کا طریقہ معلوم نہ ہوا تو اللہ نے ایک کوا بھیجا جس کا
عَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ
۳) (اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تا کہ اسے دکھائے
کی لاش کو چھپا دے) اس سے انسانی لاش کا محترم ہونا بالکل واضح ہے،
و، آنکھ وغیرہ کی فروخت ہونے لگے تو پھر انسان بکاؤ مال بن جائے گا
حرمت کا پہلو غالب ہے۔

ت دوسری ہے، یہ اضطراری حالت میں دینا جائز ہے، کیوں کہ خون کوئی
م میں پیدا ہوتا رہتا ہے جو نکالے ہوئے خون کی تلافی کر دیتا ہے لیکن
ہ وغیرہ اگر نکال دیے جائیں تو نئی آنکھ یا نیا گردہ پیدا نہیں ہوتا۔ (جدید فقہی
شمس پیرزادہ، ممبئی)

ٹی اسکین | اس موقع پر طب جدید کی ایجادات میں ایکسرے، سونو گرافی
ہیں، ان کے ذریعہ داخلی امراض کا پتہ لگا کر اب ان کا علاج کرنا آسان
ش رفت اور قابل قدر کوشش ہے جن سائنس دانوں نے ایسے باریک
تمام مریضوں کے شکریے کے مستحق ہیں کیوں کہ جن داخلی امراض کے
یض دونوں کو طویل اور دشوار مراحل سے گزرنا اور اندھیرے میں تیر چلانا
ت ایکسرے، سونو گرافی اور سٹی اسکین کے ذریعہ آسان ہوگئی ہے اور اب

ڈاکٹر علی وجہ البصیرت علاج کرتا ہے، جس سے مریض باذن اللہ جلد شفایاب ہوجاتا ہے، اسلام ایسی کوششوں کی مخالفت نہیں کرتا جو انسانیت کے لیے مفید ہوں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے لیکن ان میں جہاں یہ مثبت اور مفید پہلو ہیں، وہاں ان جدید ایجادات کے مضر پہلو بھی ہیں جن کی اجازت اسلام نہیں دیتا اور وہ یہ ہے کہ سونو گرافی اور سٹی اسکین کے ذریعہ رحم مادر میں پلنے والے بچے کا پتا قبل از ولادت لگالیا جاتا ہے، چنانچہ یہ معلوم ہونے پر کہ رحم مادر میں بچی ہے تو اکثر والدین آنکھ کھولنے سے پہلے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور اسقاط حمل یا دواؤں کے ذریعہ اسے ختم کر دیتے ہیں، یہ نازیبا حرکت قدرت کی حکمت و مصلحت کے صریحاً خلاف ہے، اس کی اسلام نہ صرف مخالفت کرتا ہے بلکہ اس کے مرتکب پر حد و تعزیر عاید کرتا ہے، اس کے نزدیک بیٹا اور بیٹی دونوں اللہ کی نعمت ہیں۔

بیٹیوں کے قتل کا یہ کام اہل عرب دور جاہلیت میں رسوائی کے خوف سے پیدایش کے بعد کرتے تھے جس کا ذکر قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے "وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ" (النحل:۵۸) (ان میں سے جب کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے) لیکن آج کے والدین ان اہل عرب سے بھی زیادہ ظالم ہیں جو پیدایش سے پہلے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں، یہ سائنس اور جدید طب کا اپنے حدود سے تجاوز ہے، اسی لیے بعض حکومتوں نے سٹی اسکین اور سونو گرافی یا M.R.I. پر پابندی بلکہ سزا و تعزیر مقرر کر دی ہے۔

۱۰-لیب (Lab) | اسی طب جدید کی دین لیب (کیمیائی تجربہ گاہ) ہے، چنانچہ آج انسان کے جسم میں جو بھی بیماری پائی جاتی ہے، اس کے علاج کا انحصار اسی لیب کی جانچ پر ہوتا ہے جب کہ پہلے حکما نبض کے ذریعہ مرض کی تشخیص کرتے تھے، جسے آج جدید سائنس و طب نے زیادہ آسان کر دیا ہے، اب اسی کے ذریعہ ڈاکٹر مرض کی تشخیص کرتا ہے، مثلاً انفکشن خون میں ہو یا پیشاب میں تو اس کی سب سے پہلے کلچر پلیٹ کرتا ہے، پھر وہ یہ پتہ لگاتا ہے کہ وہ کس پلیٹ پر (Grow) کرتا ہے، پھر اسے دوسرے پلیٹ میں (Sencitivety) سے پتہ لگاتا ہے کہ کون سی دوا اس مرض کے لیے زیادہ کارگر ہوگی، پھر اس کی روشنی میں ڈاکٹر مریض کی دوا لکھتا ہے، اس طرح لیب مرض کی تشخیص میں جدید طبی ایجاد میں فعال کردار ادا کرتا ہے جو اسلام کی نظر میں محمود و قابل ستایش ہے۔

شکیل میں باہمی تہذیبی روابط کے اثرات کے موضوع پر ۱۷ تا ۱۹ ار
شارجہ میں منعقد کیا گیا، جس کا افتتاح سپریم کونسل کے ممبر اور شاہ
ن محمد القاسمی یو-ای-اے نے کیا، دنیا بھر کے جن فضلا نے اس
س اور آرٹ وغیرہ کی ترقی میں اسلامی تہذیب وثقافت کے اثرات
فت کے تفوق و امتیاز سے بہ خوبی واقف تھے، افتتاحی تقریب کا
امیریکن یونی ورسٹی آف شارجہ کے چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ولفرڈ تھامیسن
ب کے انعقاد پر بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ AUS کو ایک
ف حاصل ہوا ہے، اس کے منصوبوں اور مقاصد کی وضاحت کرتے
عربی ثقافت کے حامل تحقیقی ادارے کی ذمہ داری نبھائی ہے اور
ے بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل میں ہمیشہ تعاون کیا ہے، IRCICA
ن اور اس کے تفوق کا تذکرہ کرتے ہوئے ولفرڈ کے بیان کی توثیق
ں بدنما تصویر کو پرکشش وخوش نما بنانے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ
رنے سے احتراز کیا جائے اور تہذیب انسانی کو بنانے اور سنوارنے
ور اس کے ذریں عہد کو نمایاں کیا جائے تاکہ اسلام کے بارے میں
کے، ان کے نزدیک اس کے لیے تعلیمی، نشریاتی اور اطلاعاتی میدانوں
ر ایسی ٹیم تیار کرنا ضروری ہے جو عصری تقاضوں کے مطابق متقدمین
ی خدمات کو نئے انداز میں پیش کرے تاکہ یہ واضح ہو کہ مسلمان بھی
ں برابر کے شریک رہے ہیں، اس سیمینار کا پہلا مقالہ تیونس کے
ں کا عنوان تھا ''انسان کا تصور اور فلسفہ وتہذیب میں اس کا حصہ''۔

ا، کو ریسرچ سنٹر فار اسلامک ہسٹری، آرٹ اینڈ کلچر'' استنبول میں

اسلامی آثار قدیمہ'' کے موضوع پر پہلی عالمی کانفرنس کا انعقاد کرنے والا ہے، جس میں دنیا بھر سے ماہرین اور اسکالرس حصہ لیں گے، اس سے مختلف ملکوں میں عہد اسلامی کی حفریاتی تحقیقات اور سرگرمیاں سامنے آئیں گی کیوں کہ عہد اسلامی میں بعض مسلم ماہرین حفریات نے اس میدان میں بڑی کدو کاوش کی ہے۔

بلغاریہ کے جنوب میں ویلیکو تارنوو، کے نزدیک ماہرین آثار قدیمہ نے چھ صدی قبل مسیح کا ایک تباہ شدہ رہائشی مکان دریافت کیا ہے، ماہرین کی اس ٹیم کو رودکش (چمنی) اور ایک دیوار ملی جو ان کے خیال میں ۸ ہزار سال پرانی ہے، اس کے علاوہ بعض مٹکے، کوزے اور ایک مذبح کے ساتھ مخطوطے بھی ملے ہیں جن کے متعلق قیاس ہے کہ قربانی کے وقت ان کو پڑھا جاتا رہا ہوگا، ماہرین نے بڑے وثوق سے اپنی رپورٹ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مکان جل کر خاکستر اور تباہ ہوا تھا۔

ماہرین نے چین کے صوبہ ہنین میں واقع شہر یانش میں بھی بہت قدیم شہر اور شاہی محل کی علامات و باقیات کا کھوج لگایا ہے جو چین کے اب تک کے دریافت شدہ قدیم شہروں میں سب سے پرانا شہر ہے، اس کا مستطیل شاہی محل مشرق سے مغرب جانب میں ۳۰۰ میٹر چوڑا اور جنوب سے شمال میں ۳۶۰ سے ۳۷۰ میٹر لمبا ہے، محل کے چاروں سمتوں میں ۱۰ سے ۲۰ میٹر چوڑے چار راستے ہیں، ان کے اندرونی جانب محل کی دیواریں ہیں، اس سے قدیم عہد شاہی کے طرز تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے۔

اخباری اطلاع کے مطابق جے پور کے گوپال پرساد شرما نے سرسوں کے دانے پر ۹ عالمی مشہور شخصیتوں کی تصویریں بنانے کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ غیر مرئی تصویریں شرما نے بغیر لنس کے بنائی ہیں، اس سے پہلے چاول کے دانے پر مصوری کا مظاہرہ کیا جا چکا ہے لیکن شرما نے اس سے کہیں آگے بڑھ کر مصوری کے لیے سرسوں کے دانے کا انتخاب کیا، ان کے بیان کے مطابق وہ صرف ۱۵ سے ۲۰ منٹ تک اس دانے پر مسلسل کام کر پاتے ہیں، دانے پر جن اشخاص کی تصویریں بنائی گئی ہیں ان کے نام ہیں: گاندھی جی، مدر ٹریسا، بل کلنٹن، مہارانا پرتاپ، شیوا جی، سوائی جے سنگھ، بھیرون سنگھ شیخاوت، پرنسز ڈائنا اور اندرا گاندھی۔

ماہرین آثار قدیمہ کو زمین کے اندر سالہا سال کی قدیم مدفون انسانی نعشوں کے باقیات برابر ملتے رہتے ہیں، چین کی راج دھانی بیجنگ کے بیرونی علاقے جھوؤ کوڈیان میں ۱۹۲۹ء میں

ے مطابق پانچ لاکھ سال پرانے مردہ انسانوں کے باقیات ملے
تحقیق کا کام جاری ہے، اب تک کے مطالعہ کے نتیجے میں نام نہاد
ب بے ہودہ دعویٰ یہ ہے کہ "اس زمین پر انسانوں کا وجود خدا کی
لاقہ میں اب تک اس قسم کے ۴۰ مدفون مردے برآمد کیے جا چکے
شروع کیا جا چکا ہے، یونسکو نے ۱۹۸۷ء میں ہی چین کے اس
رثوں کی فہرست میں شامل کر دیا تھا۔

ے پروفیسر ڈاکٹر مدھولیکا اگروال کا کہنا ہے کہ گزشتہ دو دہائیوں سے
ں ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں لہریں ایک بار پھر بننے لگی ہیں اور
لگے ہیں، اوزون پرت میں سوراخ ہو جانے کے سبب پراگندگی کی
دوسرے جانداروں اور پیڑ پودوں کو بھی متاثر کرتی ہیں جس سے
تے ہیں، اس خوش آیند انکشاف سے ماہرین حولیات کو توقع ہے
راخ بھر جائیں گے اور فضا کی اوزون لہریں معمول پر آجائیں گی۔

ٹ ویر کمپنیوں میں "حرف" اور "گلوبل اسلامک سافٹ ویر" وغیرہ
عمدہ ویب سائٹ تیار کیے ہیں جیسے الفیہ حدیث، اسماء الرجال
ل سافٹ ویر نے "الکتب التسعہ" کے نام سے چند سالوں قبل جو
گانِ تحقیق ۱۹۹۷ء سے فیضیاب ہو رہے ہیں، اب اس پروگرام کو
مزید بہتر بنا دیا ہے، الکتب التسعہ سافٹ ویر سے فائدہ اٹھانا
ں تین معاجم: ۱- معجم الفاظ حدیث ۲- معجم غریب الفاظ حدیث
صادر کے تحت اعلام، اماکن، قرآنی آیات، اشعار، اقوال اور رواۃ
اہم کرائی گئی ہیں، عام خوبیوں کے علاوہ اس کی سب سے خاص
حدیث کے مولفین کے سوانح اور ان کی کتب کی نمایاں خصوصیات
ں درجہ بندی کے لحاظ سے سرچ کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔

ک، ص، اصلاحی

آثار علمیہ و ادبیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ☆
بنام
سید غلام محمود شاہ نشترؒ (گونڈواکڑی)

پاریس
۱۴ر جمادی الاول ۱۳۸۴ھ

بحوالہ ۳۲۹/۶۴

مکرمی سلام مسنون

یہاں غریبانہ زندگی کے لیے آج کل کم از کم چھے سو ماہوار کی ضرورت ہے۔

یہاں عربی پڑھنے والے زیادہ تر یہودی اور عیسائی ہیں، میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید کے پانچ سال میں الحمد للہ پانچ اڈیشن نکلے ہیں، میں نہ یہاں پڑھتا ہوں نہ پڑھاتا بلکہ صرف رہتا ہوں۔

انڈا چھے سات آنے میں ایک ملتا ہے، گوشت ہر قسم کا ملتا ہے، مسلخ کا ایک شعبہ مسلمان قصابوں کے لیے ہے۔ جس کو اتنی آمدنی ہو کہ ملازم کو چھے سو ماہوار دے سکے تو وہ ملازم رکھتا ہے، ورنہ اپنا کام خود کرنا پڑتا ہے۔

مجھے اب تک تو داڑھی ہے، یہاں صرف ایک مسجد ہے، شہر میں نصف ملین مسلمان ہیں، امام الجزائری ہیں، نمازیں پنج وقتہ ہوتی ہیں، تراویح بھی ہوتی ہے، میں سگریٹ نہیں پیتا نہ چائے کافی، مجھے نہیں معلوم ان کی کیا قیمتیں ہیں، ایک پیالی چائے بارہ آنے ایک روپے سے کم نہ ہونی چاہیے۔

آپ کی تحریر میں املا اور صرف و نحو کی کئی غلطیاں نظر آئیں، ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔

خدا ہم سب کو نیک ہدایت دے، آیندہ مجھے غیروں کے پتے پر نہ لکھیے۔

م-ح

☆ ڈاکٹر صاحب کا یہ گرامی نامہ ہمیں مکتوب الیہ کے صاحب زادے سید شاہ فضل الرحمن نادر گونڈواکڑی ضلع ایوت محل مہاراشٹر نے بھیجا ہے جو ان کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے، مکتوب الیہ کی دو کتابیں ماتم برار ۱۹۴۲ء میں اور شادی یا بربادی ۱۹۶۲ء میں معارف پریس اعظم گڈھ سے شائع ہوئی تھیں۔ (ض)

والانتقاد

A QUEST FOR TRU

مبصر:- ڈاکٹر جاوید علی خان ☆

ے- ڈیسائی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش،
ت: ۴۰۰ روپے، پتہ: حضرت پیر محمد شاہ، درگاہ شریف ٹرسٹ،

بدالحئی ڈیسائی ایک ممتاز عالم، دانش ور اور مشہور مورخ و محقق تھے، ان کی
ں کتبات تھا، فارسی زبان پر انہیں عبور تھا، بمبئی یونی ورسٹی سے اس میں
ٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی، مرحوم کے تعلیمی سفر کا آغاز فارسی
تھا اور کئی کالجوں میں درس کی خدمت پر مامور رہے، پھر آرکیالوجیکل
ز ہوئے اور اس کے ڈائریکٹر کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔
، کی ذمہ داریوں کے دوران بھی مرحوم ڈیسائی صاحب نے اپنے
ر کھا، انہوں نے بیرونی ملکوں کے سفر بھی کیے، ان کا مطالعہ بہت وسیع
ں کا اندازہ ان کی بیش قیمت اور معلومات افزا کتابوں اور سیکڑوں عالمانہ
م کی تصنیفی زبان انگریزی تھی، گوناگوں علمی و تحقیقی خدمات کی بنا پر ان کو

م کو خطاطی، مصوری اور پینٹنگ وغیرہ سے بھی دل چسپی تھی، وہ سکوں کی
ماہر تھے، ان پر اور دوسرے موضوعات پر ان کے مضامین کے کئی مجموعے
ہ بھی محققانہ مقالات پر مشتمل ہے، جس میں عہد وسطی کی چند مثنویوں اور

صدر شعبۂ تاریخ شبلی نیشنل ۔۔۔ ڈگری کالج، اعظم گڈھ۔

دیواروں اور محرابوں اور مقبروں وغیرہ پر ثبت کتبات کی مدد سے بڑی مفید اطلاعات فراہم کی گئی ہیں، گجرات کے علاقے کے کتبات خاص طور پر زیر بحث آئے ہیں جن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے، ان مثنویوں اور کتبات کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ ان میں وہ معلومات ہیں جو اس عہد کی تاریخوں میں نہیں ملتے چنانچہ مطیعی کی مثنوی گنج المعانی سے گجرات میں بہادر شاہ کی فتوحات اور اس کے دوسرے کارناموں اور دولت عثمانیہ اور گجرات کی حکومت کے ان اقدامات کا پتا چلتا ہے جو پرتگالیوں کے حملوں کو روکنے کے لیے انہوں نے کیے تھے، ان کی فوجی قوت اور بحری جنگوں کا حال بھی ان میں ملتا ہے، اسی طرح گجرات کے بعض علاقوں کی مسلم آبادی کے متعلق جو اطلاعات اس میں ملتی ہیں، وہ دوسرے ذرائع سے نہیں مل سکتیں۔

مجموعے کا دوسرا مقالہ احمد آباد کی اہم درگاہوں کے بارے میں ہے، یہ درگاہیں جن اشخاص سے منسوب ہیں ان کے حالات بھی دیدہ ریزی سے لکھے گئے ہیں، شیخ احمد کھٹو اور سید برہان الدین قطب عالم کی درگاہوں کے بارے میں خاص طور پر بہت مفید معلومات درج ہیں، مرآۃ سکندری پر جو مقالہ قلم بند کیا گیا ہے اس سے گجرات کے تہذیبی و معاشرتی حالات کی عکاسی ہوتی ہے، اس سے اس دور کے سلاطین کے حالات زندگی، حکومت کے نظم و نسق، ذاتی دل چسپیوں، اسلحہ جات، عسکری نظام، اولوالعزمی، ہندو اور جین مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری، ہندوؤں کو اہم عہدوں پر فائز کرنے، ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب اور گجرات کے زرعی و اقتصادی حالات وغیرہ کے بارے میں مفید معلومات تحریر کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے ایک اہم مقالے میں مآثر محمد شاہی کے مصنف کی صحیح تعیین کی گئی ہے، فاضل مقالہ نگار کی تحقیق میں ملا عبدالحسین طوفی اس کے مصنف تھے جو بیگڑہ کے دربار سے وابستہ تھے، فاضل مصنف کا یہ امتیاز بھی ہے کہ انہوں نے جابجا اغلاط کی تصحیح اور شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کیا جیسے ملا صاحب کے بارے میں ریو اور اسٹوری کے بیان کی تردید کی ہے، اسی طرح گجرات کے جن مقامات کی شناخت اور تعیین کے بارے میں لوگوں کو جو مغالطہ ہوا ہے اس کو مرحوم ڈیسائی صاحب نے دور کیا۔

اس قیمتی مجموعے کی اشاعت پر درگاہ پیر محمد شاہ کے ذمہ دار مبارک باد کے مستحق ہیں۔

☆☆☆

... جدیدہ

...اہیر جلد اول ودوم : از جناب نظامی بدایونی مرحوم، قدرے بڑی تقطیع،
...عت، مجلد، صفحات : جلد اول ۳۳۲ و دوم ۳۰۰ قیمت بالترتیب : تین تین سو
...ا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴۔

...صدی قبل مولوی نظام الدین بدایونی نے قاموس المشاہیر مرتب کر کے اردو
...قاموس کی ابتدا کی تھی، دس سال کی تحقیق و محنت کے نتیجے میں انہوں نے تن
...ہزار اشخاص و افراد کے متعلق ضروری معلومات جمع کر دیے تاکہ ان کے
...اقفیت ہو سکے، کتاب کی افادیت اس کے موضوع ہی سے ظاہر ہے، وہ
...رے دیکھی گئی، مولف مرحوم نے طبع اول کے وقت یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ
...کا نتیجہ ہے، آیندہ اس کا نقش ثانی اگر کسی زبردست قوت سے تیار کیا گیا تو یقیناً
...ن صدی کے بعد بھی اس کی توسیع و تکمیل کے لیے کسی اور حوصلہ مند نظامی کا
...ے میں یہ بیش قیمت سرمایہ بھی گردش زمانہ کی نذر ہوتا جاتا تھا، اس کی جدید
...ور شکر ہے کہ خدا بخش لائبریری نے اس ذمہ داری کو قبول کیا، زیر نظر دونوں
...ش کے نام و کام کی نیکی میں اضافہ کا باعث ہیں، طبع اول میں کتابت اور
...ور خامی تھیں، ان کی نشان دہی ایک غلط نامہ کے ذریعہ کی گئی تھی، اب ان
...ر دی گئی، اسی طرح خود مولف نے بعد میں جا بجا اصلاح و تصحیح کی تھی، اس کو
...مرحوم کی اصلاحات کو بھی اس طبع جدید میں شامل کر دیا گیا ہے، قاموس
...کے بعد اس کی تنقید کے نام سے جناب احمد اللہ قادری کا ایک رسالہ شائع
...ید کا بہترین نمونہ مانا گیا تھا، زیر نظر دونوں جلدوں میں بہ طور ضمیمہ یہ رسالہ
...ن خوبیوں کی وجہ سے یہ طبع جدید اور زیادہ مفید و مستند ہو گیا ہے، مولوی نظامی

مرحوم نے غلطیوں کے بارے میں خود ہی لکھا تھا کہ قاموس یا موسوعہ کی ترتیب کا عمل، شخص واحد کا کام نہیں، اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اصلاح و درستگی کا کام بھی ایک دو اشخاص کے بس کی بات نہیں، زیر نظر دونوں جلدوں میں اب بھی کتابت کے علاوہ اعلام و سنین کی تصحیح کی ضرورت ہے، مثال کے طور پر قاموس کے پہلے صفحہ پر ہی آتش کے ذکر میں ان کا سال وفات ۱۲۶۳ھ لکھا ہے جس کی غلطی ظاہر ہے، شاہ ولی اللہ کے سامنے قوسین میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو اشتیاق) لیکن اس اشتیاق کا کہیں ذکر نہیں، حرف آغاز میں احمد اللہ قادری کو شمس اللہ لکھا جانا بھی تسامح ہے، مولوی بدایونی مرحوم نے آخری گزارش میں اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ "وقتاً فوقتاً اس کے مرتمہ نسخے شائع ہوتے رہیں گے" خدا بخش لائبریری نے پون صدی بعد ان کی اس خواہش کو جس سلیقے اور خوبی سے پورا کیا ہے، یقیناً وہ داد اور پوری دنیا کی جانب سے شکریے کی مستحق ہے۔

سراج الدین علی خاں آرزو، ایک مطالعہ : مرتبہ جناب شاہد ماہلی، متوسط تقطیع،
عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات : ۱۶۵، قیمت : ۱۰۰ روپے، پتہ : غالب
انسٹی ٹیوٹ ایوان غالب مارگ، نئی دہلی-۲۔

اردو کے متقدمین شعرا میں خان آرزو کا نام نمایاں ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر وہ فارسی زبان و ادب کے نابغہ عالم تھے، لسانیات، تنقید، تذکرہ اور فرہنگ نویسی میں ان کی شخصیت واقعی بے مثال تھی، ان کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی اور سنسکرت کے بھی فاضل تھے، اس لحاظ سے معاصرین پر ان کا امتیاز ظاہر ہے، بہ قول پروفیسر نذیر احمد خان آرزو پہلے عالم ہیں جنہوں نے فارسی اور سنسکرت اور فارسی و عربی کے ہم رشتہ ہونے کی بنیاد پر توافق لسانین کا نظریہ پیش کیا، یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے فارسی زبان میں ہندی الفاظ کے استعمال کے جواز کی وکالت کی اور دلیل بھی ان کی قوی رہی کہ جب عربی، ترکی اور ارمنی زبانوں کے الفاظ، فارسی میں بے تکلف مستعمل ہیں تو ہندی کے لیے تکلف کیسا؟ ایسے منفرد صاحب فکر کی شخصیت اور خدمات سے اگر بے اعتنائی کی شکایت ہو تو بالکل بجا ہے، شاید اسی احساس کے تحت غالب انسٹی ٹیوٹ نے ایک سمینار کا انعقاد کیا، زیر نظر کتاب، مذاکرہ علمی کے گیارہ مقالات پر مشتمل ہے، شخصیت کے علاوہ اس میں ان کی تصانیف غرائب اللغات، نوادر الالفاظ، تنبیہ الغافلین،

اور اردو شاعری اوران کے اساتذہ وتلامذہ کا مفصل جائزہ آگیا ہے، ایک
عرکہ آرائی پر ہے، پروفیسر نذیر احمد کا مقالہ سرفہرست ہے اور فاضل گرامی
محققانہ ہے، انہوں نے لکھا کہ آرزو کو فارسی لغت نویسی اور قواعد فارسی کا
ان سے پہلے کسی فاضل نے ان فنون پر کوئی کتاب نہیں لکھی، قواعد زبان
وں کے تعلق سے قواعد اور لہجے کا فرق، زبان دانوں کا خاص موضوع رہتا
وضوع پر گفتگو کی اور رشید حسن خاں کے الفاظ میں ایسی گفتگو وہی کرسکتا
ر ہونے کے باوجود رشید صاحب کی تحریر بڑی وقیع ہے، باقی تحریریں بھی
مرتبہ علمی کے شایان شان ہیں۔

طراز ظہیری : از ظہیر دہلوی، مقدمہ و پیش کش: پروفیسر افغان اللہ
عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۲۴۳، قیمت: ۱۵۰ روپے،
جامع مسجد، گورکھ پور اور دانش محل لکھنؤ و مکتبہ جامعہ دہلی۔

ہیر الدین حسین رضوی کی یہ تالیف اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ اس میں
ی کے حالات کا چشم دید بیان ہے، اس واقعہ کے متعلق اس کتاب کے
راز کیا گیا، فاضل مقدمہ نگار کے نزدیک یہ بڑے تعجب کی بات ہے،
ی آمد و رفت، قلعہ معلی میں آٹھ سال کی عمر سے ہی تھی، تیرہ سال کے
اتب کے عہدے سے سرفراز کیا گیا، ان کو بہادر شاہ ظفر کی مصاحبت اور
، ان کی یہ خود نوشت قلعہ معلی کے حالات اور دہلی مرحوم کی تباہی کے بعد
ر، ٹونک اور حیدرآباد دکن کے درباروں سے وابستگی کے واقعات پر مشتمل
خ کے علاوہ تہذیبی اور سماجی زندگی کا ایسا مرقع ہے جس میں حیرت اور
ہیں، یہ کتاب بیسویں صدی کے اوائل میں شائع ہوئی تھی اور اب یہ
ل مقدمہ نگار نے ایک مفصل اور جامع مقدمہ لکھ کر اس کی جدید اشاعت
ں ہے، کتاب میں فہرست مضامین کی ضرورت تھی، تاریخ کے ایک باب
لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ پر کیف ہے۔

ع۔ص